اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل کے ساتھ

ماہنامہ

قندیلِ ادب

مئی 2014ء

مدیر: رانا عبدالرزاق خان
07886304637 & 02089449385
rana_razzaq@hotmail.com

تزئین: خورشید احمد خادمؔ
00 91 9815617814
khursheedkhadim@yahoo.co.in

نگرام ویب سائٹ: ایاز احمد راٹھور
www.bazmesherosukhan.co.uk

www.bazmesherosukhan.co.uk

ماہنامہ قندیلِ اَدب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انٹر نیشنل لندن

شمارہ نمبر:17 مئی 2014ء

مجلس ادارت

مبارک صدیقی، زکریا ورک، ،خواجہ عبدالمومن ناروے، راجہ منیر احمد

مدیر اعلیٰ : بشیر احمد رفیق لندن

مدیر : رانا عبدالرزاق خان

معاون مدیر : عامر مجید

مدیر خصوصی : سہیل لون

ڈیزائنر : خورشید احمد خادمؔ

منیجنگ ڈائریکٹر : عاصی صحرائی

فوٹوگرافی : قاضی عبدالرشید، فضل عمر ڈوگر

اراکین مشاورتی بورڈ

آدم چغتائی، منور احمد کنڈے، اقبال مجیدی، میاں فہیم الدین، ثقلین مبارک اور تنویر احمد آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن

وضاحت

قِندیلِ اَدب انٹرنیشنل کسی سیاسی سماجی مذہبی گروہ یا فرقے کا ترجمان نہیں یہ نسل یا فرقوں کے اِمتیاز سے بالاتر ہے یہ صرف اُردو اَدب کی ترقی وترویج کے لئے جاری کیا گیا ہے اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں قارئین کو آراء یا مضامین سے اختلاف کا حق حاصل ہے اور اس کے صفحات حاضر ہیں۔تحریر کے ساتھ اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور ارسال کریں یہ آپ کا اپنا میگزین ہے۔

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ
املاک بھی، اولاد بھی، جاگیر بھی فتنہ
ناحق کیلئے اُٹھے تو، شمشیر بھی فتنہ
شمشیر ہی کیا، نعرۂ تکبیر بھی فتنہ

علامہ اقبالؔ

فہرست

آپ کی آراء	ادارہ	2
باصر سلطان کاظمی	ادارہ	2
غزل	مرزا امجد مرزا	2
غزل	منور احمد کنڈے	2
غزل	فاروق نسیم برمنگھم	3
چار دیواری	مرزا امجد مرزا	3
آئزک نیوٹن	اعزاز لطیف خاں	4
وطن کی یاد	اسحاق اطہر جرمنی	4
خلیل جبران	شیراز وحید خاں	5
غزل	رضیہ اسمٰعیل	5
غزل	مظفر احمد مظفر	5
غزل	نصیر احمد ناصر بٹ	6
غزل	نجمہ شاہین	6
غزل	اشرف عطارد	6
روشنی۔افسانہ	طلعت سلیم	7
واسکوڈے گاما	فراز حمید خان	7
غزل	عطاء الحق	8
غزل	عاصی صحرائی	8
غزل	عبدالجلیل عباد	8
غزل	مبارک احمد مبارک	8
غزل	اشتیاق زین	9
غزل	ناظر فاروقی	9
غزل	فوزیہ مغل	9
غزل	شہزاد اسلم	9
غزل	ندیم اجمل	10
غزل	آفتاب حسین	10
دنیا کے دس بڑے کتب خانے	ادارہ	10
نورِ فرقان	ادارہ	11
لاتفرقو!	عاصی صحرائی	11
دنیا کے امیر ترین بحری جہاز	فراز حمید خاں	12
میں پاکستان ہوں	رانا عبدالرزاق خاں	13
تبصرہ کتب..محسوسات کا شاعر	آدم چغتائی	16
اے قائداعظم	عاصی صحرائی	17
علیگڑھ میں اجنبی	زکریا ورک	18
جن لوگوں نے خدا سے ٹھٹھا کیا اُن کا انجام	ادارہ	20

○○○

آپ کی آراء

○ عامر امیر صاحب لکھتے ہیں:

''رانا صاحب اس بار آپ کا میگزین بہت ہی خوبصورت ہے۔ایک حسین کاوش ہے۔''

○ منور احمد کنڈے صاحب رقمطراز ہیں:

''شکریہ میری غزل دینے کا۔آپ اردو ادب کی بہت بے لوث خدمت کر رہے ہیں۔''

○ اسد اللہ صاحب: ''شکریہ یاد رکھنے کا۔''

○ ڈاکٹر کاشف بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''رانا صاحب کسی لالچ کے بغیر اتنی اُردو کی خدمت ساری دنیا میں چند مٹھی بھر آپ جیسے لوگ ہی کر رہے ہیں۔خدا آپ کو خوش رکھے۔آمین۔''

○ منصور احمد قمر تحریر فرماتے ہیں:

''یہ آپ کی آئندہ نسلوں میں ادب کی آبیاری کے لئے ایک حسین اور کمال کاوش ہے۔''

○ آدم چغتائی لکھتے ہیں:

''مسلسل کاوش کے لئے مستقل مزاجی ضروری ہے۔جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہوئی ہے اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔''

جناب باصر سلطان کاظمی صاحب

باصر سلطان کاظمی باکمال و لازوال شاعر ناصر کاظمی کے صاحبزادے ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں پیدا ہوئے۔غزل کے بہت اچھے شاعر ہیں ۔ ۱۹۷۵ء میں انگلش لٹریچر میں ماسٹر گورنمنٹ کالج لاہور سے میں کیا۔گورنمنٹ کالج لاہور میں یہ مضمون پڑھاتے بھی رہے۔آپ ''راوی'' میگزین کے ایڈیٹر اور ڈرامہ سوسائٹی کے انچارج بھی رہے۔ ۲۰۰۰ء میں آپ نے مانچسٹر یونیورسٹی سے ایم فل ایجوکیشن میں کیا۔اور انگلش میں پی جی سی ای بھی کیا ہوا ہے۔آپ ''بی بی سی ایشین پروگرامز'' کے لئے شاعری اور ڈرامے پر تحقیقی کام کر چکے ہیں۔''موجِ خیال'' ''اے لٹل برج'' اور ''غزل نسل در نسل'' آپ کی تصنیفات ہیں۔آپ جیس کے بہت اچھے کھلاڑی اور یوکے میں اس کے پروموٹرز بھی ہیں۔آپ کی غزلوں کے تراجم ''غزل نسل در نسل'' کے نام سے شائع ہوئے۔ ۱۹۸۷ء میں مکتبہ خیال لاہور نے آپ کے طویل کھیل بساط کو بھی شائع کیسا۔چمن کوئی بھی ہو کے نام سے بھی ایک کتاب چھپی۔آپ کو ڈراموں پر جو یوکے میں پیش کئے گئے ۱۹۹۲ء میں انعام بھی ملا تھا ۔انہیں ادبی خدمات پر ملکہ برطانیہ کی طرف سے ایم بی ای کا خطاب بھی ملا ہے۔آپ نے برطانیہ اور باقی دنیا میں بھی سینکڑوں مشاعرے پڑھے۔آپ کا چونکہ ایک ادبی گھرانے سے تعلق ہے۔اور ساری عمر ہی ادب کی آبیاری میں گزار دی ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت والی اسی طرح فعال زندگی سے نوازتا چلا جائے آمین۔

غزل ــــ مرزا امجد مرزا

زہر پھیلا ہے جہاں میں روح بھی سنسان ہے
کس کی یادوں کا چمن ہونے کو اب ویران ہے
آسمان پتھر کا ہے اور کانچ کی ہے یہ زمیں
ہر طرف افلاس کا اک بے کراں میدان ہے
لوٹ کے آنا تھا جس کو وہ نہیں آیا ابھی
شہرِ دل میرا ازل سے خشک ہے ویران ہے
زہر ہے یہ اجنبیت روح تک مرجھا گئی
مدتوں سے میرے دل کا گلستاں ویران ہے
گھُٹ رہا ہے دَم ہمارا آتشِ بارود سے
چارجانب سسکیاں ہیں،موت کا سامان ہے
کون امجدؔ اب نکالے اس جہنم سے اسے
بے بسی کے دشت میں کھویا ہوا انسان ہے

غزل ــــ منور احمد کنڈے

میں اکثر شہرِ جواں کا آدمی ہوں
بہارِ جاوداں کا آدمی ہوں
مرے ماضی میں نہ لوٹاؤ مجھ کو
نہ پوچھو میں کہاں کا آدمی ہوں!
بھٹک کر راستہ جو کھو چُکا ہے
میں ایسے کارواں کا آدمی ہوں
زمیں والے مجھے سمجھیں زمیں کا
فلک پر آسماں کا آدمی ہوں
جو پنچھی سوچ کا ہے میرے اندر
اُسی کے آشیاں کا آدمی ہوں
میں پاکستان کا بیٹا ہوں سچ ہے
مگر سارے جہاں کا آدمی ہوں

میں بندہ ہوں غلامِ مصطفیٰ کا
اُسی کے آستاں کا آدمی ہوں
حقیقت تھا کبھی میں بھی منوّر
مگر اب داستاں کا آدمی ہوں

غزل ــــ فاروق نسیم برمنگھم

چوٹ بچپن کی بڑھاپے میں نظر آتی ہے
عہدِ رفتہ کے اندھیروں سے سحر آتی ہے
تشنہ کاموں کو سکوں ملتا ہے اُس دم ساقی
جب بھی صورت تری شیشہ میں اُبھر آتی ہے
کبھی اُٹھ جاتے ہیں پردے جو ریا کاری کے
اصل صورت کسی انساں کی نظر آتی ہے
رات اور دن کی بھلا قید کہاں ہے یارو
اب تو ہر لمحہ اجڑنے کی خبر آتی ہے
جب سے اُکھڑی ہے ہوا، تب سے ہے بدلا منظر
کفر کی آندھی بِلا خوف و خطر آتی ہے
مصلحت ہے کبھی درپیش، کبھی نام و نمود
رہبری آج بہ عنوان دگر آتی ہے؟

بیٹے کی شکایت

ایک صاحب اپنے بیٹے کی شکایت اپنے ایک دوست سے کر رہے تھے کہ برخوردار نے جب سے یونیورسٹی میں داخلہ لیا ہے پڑھائی کی طرف دھیان دینے کی بجائے لڑکیوں کے چکر میں پڑا رہتا ہے۔ لان میں لڑکیوں کے ساتھ، لائبریری میں لڑکیوں کے ساتھ، کینٹین میں لڑکیوں کے ساتھ، حتیٰ کہ یونیورسٹی کے باہر بھی لڑکیوں کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ یونیورسٹیوں میں یہی کچھ ہوتا ہے تو اُسے دوکان پر بٹھا دیتا اور خود یونیورسٹی میں داخلہ لے لیتا۔

اُردو میری دلہن

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے ایک بے تکلف دوست نے ان سے استفسار کیا: ''مولوی صاحب! آپ خاصی عمر کے ہو چکے ہیں لیکن اب تک شادی نہیں کی۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟''

مولوی صاحب نے یہ سنا تو مسکرا کر بولے..... ''بھائی میری شادی کو طویل عرصہ گزر چکا ہے۔'' دوست سخت حیرت زدہ ہوئے اور بولے:

''آپ کی شادی کب ہوئی؟ کس سے اور کہاں ہوئی؟''

مولوی صاحب نے اپنے دوست کو کان قریب کرنے کو کہا اور جب ان کے دوست جھکے تو مولوی صاحب نے اُن کے کان میں کہا:

''میری شادی اُردو سے ہو چکی ہے اور اُردو ہی میری دلہن ہے۔''

افسانہ :

چار دیواری

امجد مرزا امجد

واہ چاچی! تمہیں نہیں علم۔۔ارے اس ملک جی نے تو ILFORD میں ایک عورت رکھی ہوئی ہے۔ سُنا ہے وہ بھی اپنے خاوند کو چھوڑ کر بھاگ کر آئی ہے۔ ایک بچی بھی ہے اب اللہ جانے وہ ملک صاحب کی ہے کہ اس کے پہلے خاوند کی۔ یہ بھی سُنا ہے کہ ملک صاحب اسے پورا خرچہ دیتے ہیں۔ کیوں نہ دے وصول بھی تو کرتا ہے ۔۔۔!! یہ کہہ کر رشیدہ نے چاچی کے کندھے پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگایا۔ ''توبہ توبہ کیا زمانہ آ گیا ہے گھر میں جوان بیٹا ہے اس کی ہی شرم کرتا۔ بھلا وہ کیا سوچتا ہوگا۔ کہ اس کی ماں کا کفن بھی میلا نہ ہوا تھا کہ باپ نے رکھیل رکھ لی۔'' چاچی کانوں کو ہاتھ لگا کر کہہ رہی تھی کہ رشیدہ نے بات کاٹ دی۔ ''مگر چاچی اُس کا بیٹا کون سا فرشتہ ہے۔ وہ بھی تو انتظار کر رہا ہوتا ہے کہ جوں ہی باپ گاڑی میں بیٹھ کر گیا وہ جا کر اپنی گرل فرینڈ کو گھر لے آتا ہے۔ اس نے بھی تو ایک ٹھگنی سی سانولی سی لڑکی رکھی ہوئی ہے۔ کوئی ہندنی لگتی ہے مجھے تو۔ سکرٹ پہنا ہوتا ہے۔ ادھر باپ جا کر الفورڈ منہ کالا کرتا ہے ادھر اس کا بیٹا اپنی دوست کو لئے اپنے گھر میں جھک مار رہا ہوتا ہے''۔ ''ہاں جیسا باپ ویسا بیٹا۔۔۔ کہتے ہیں نا دیوار اپنی بنیادوں پر ہی جاتی ہے۔ کیسا زمانہ آ گیا ہے کہ کسی کو کسی کی شرم ہی نہیں''۔۔ یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اچھا رشیدہ چلوں اب، کھانا بھی تیار کرنا ہے میرے بچے بھی کام سے آتے ہی ہونگے۔ شکر ہے اللہ کا کہ اس نے ہمیں اس عذاب سے بچایا ہوا ہے۔ میرا بڑا لڑکا گھر سے ٹفن میں کھانا لے کر جاتا ہے اور چھوٹی کو اگر ساتھ سینڈوچ نہ پیک کر دوں۔ مجال ہے جو کینٹین میں جا کر کچھ کھا لے۔ باپ نے کئی بار کہا ہے کہ کالج سے کچھ کھا پی لیا کرو۔ مگر توبہ کرو ایک پیسہ خرچے وہاں۔۔۔ یہی حال منجھلی بیٹی کا ہے۔ ہفتے بعد پوری تنخواہ کا پیکٹ باپ کے ہاتھ پر رکھ دیتی ہے اور وہ میرا ابّو وہ تو اب بھی گود میں بیٹھ کر کھاتا ہے اس کا ابھی تک بچپنا نہیں گیا۔۔ بات پھر گھر کے ماحول پر آتی ہے نا۔ بچوں کو اچھے آداب سکھاؤ۔ انہیں اپنے مشرقی طور طریقے سمجھاؤ تو وہ جانیں۔ یہ کہہ کر چاچی نے اپنی کمر پر ہاتھ رکھا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے گھر پہنچ کر چاچی کچن کی کرسی پر جا بیٹھی۔ اور دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر چاروں جانب دیکھا، جہاں ہر سُو ویرانی اور خاموشی تھی۔ وہ سسک پڑی۔ ''اے میرے اللہ۔۔ ہم پر رحم کرنا۔۔ لگتا ہے ہر گھر کی یہی کہانی ہے۔ ہر گھر کی دیوار شکستہ ہو چکی ہے۔ کیسے کوئی اپنا پیٹ ننگا کرے۔۔ اللہ میرے منیر کو عقل دے کہ وہ اس کمینی لوری کے چنگل سے نکل آئے۔ آج دو ماہ ہونے کو آئے باپ نے کیا دو لفظ غصے میں کہہ دیئے

، پلٹ کر واپس نہیں دیکھا۔۔اور یہ میرا چھوٹا بلّو۔۔اسے تو میں اسی سال پاکستان جا کر اپنی بھانجی سے بیاہ ڈالوں گی اس کے لچھن بھی اچھے نظر نہیں آتے۔رات رات بھر لفنگوں دوستوں کے ساتھ باہر رہتا ہے۔ادھر سلیمہ کی بھی فکر رہتی ہے۔آج اس کا باپ گھر آئے تو اسے کہوں گی اسے کسی بہانے لے جاواپس اور بیاہ ڈال کسی نتھو خیرے سے ۔ورنہ یہ کلموئی بھی کوئی گل کھلائے گی ۔اوراب چھوٹی بھی اس کو دیکھا دیکھی سُرخی پوڈر تھوپ کر کالج جانے لگی ہے ۔ روز کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر دیر سے گھر آتی ہے ‘‘۔۔۔چاچی نے لمبی سی سانس لی اور اپنی آنکھوں کو دوپٹے سے خشک کیا مگر دو قطرے اس کی گالوں پر سے بہتے ہوئے اس کے ہاتھوں پہ جا چمکنے لگے۔کمرے میں اس کی ہلکی ہلکی سسکیوں کی آوازیں لہرانے لگیں۔

آئزک نیوٹن

عاصی صحرائی

نیوٹن خدا کو واجب الوجود مانتے تھے۔لیکن وہ عیسائی مذہب کے عقیدہ تثلیث سے متفق نہ تھے۔بلکہ انہوں نے بائبل پر تنقید بھی لکھی۔وہ اس وقت کے پادریوں سے ناخوش تھے۔

۱۷۰۳ء میں نیوٹن رائل سوسائٹی کے صدر چُنے گئے۔۲۰۰۵ء میں رائل سوسائٹی نے کافی غور وغوض کے بعد اعلان کیا کہ نیوٹن ایک سائنسدان کی حیثیت سے آئن سٹائن سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے مائیکل ہارٹ نے نیوٹن کو تاریخ انسانی کا سب سے زیادہ پُراثر سائنسدان مانا ہے۔اورانکو اپنی سو کی فہرست میں دوسرے نمبر پر قرار دیا ہے۔نیوٹن کے دو مشہور اقوال ہیں۔نمبر ا۔اگر میں اس قابل ہوا کہ دور تک دیکھ سکوں تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ میں طویل القامت انسانوں کے کاندھوں پر کھڑا تھا۔نمبر ۲۔مجھے نہیں معلوم کہ دنیا میرے متعلق کیا سمجھتی ہے لیکن میں تو اپنے آپ کو ایک چھوٹے سے بچے کی طرح سمجھتا ہوں جو ساحل پر بیٹھا چند خوش رنگ سیپیوں اور گھونگھوں سے کھیل رہا ہو جبکہ اس کے سامنے حقائق کا ایک گہرا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو وہ سمندر جس کی اتھاہ میں نہ جانے کیا کیا بھرا ہوا ہے۔گیلیلو سے لے کر نیوٹن تک کے زمانے کا کام انقلاب سائنس کہلاتا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ نیوٹن کی فکر نے عالمی انسانی معاشرہ پر بہت گہرے اثرات چھوڑے ہیں ۔ اور پچھلے پانچ سو برسوں میں میں سائنس میں جو کام ہوا ہے اس پر کہیں نہ کہیں نیوٹن کی چھاپ ضرور ہے یہاں تک کہ آدم سمتھ کے نظریات، جس نے جدید علم عاشیات کو جنم دیا وہ بھی نیوٹن کی فکر سے متاثر تھے۔

○○

وطن کی یاد

اسحاق اطہر جرمنی

رہتا ہوں دیس میرے تری یاد میں اُداس
ستلج خیال میں ہے تو راوی، کبھی بیاس
اپنے وطن کی یاد لئے شہر، کُو بکو
پھرتا ہوں خاک تیری کو لے کر اپنے پاس
مٹھی کو گرم کرتے رہو بیچ کر اسے
تم اس کی قدر جان نہ پاؤ گے ناشناس
حاصل جسے کہ ہم نے کیا دے کے اپنا خوں
واں خون سے تمہاری نہیں بجھ رہی پیاس
تن ڈھانپنے کا یارا بھی جن کو نہ تھا کبھی
بیٹھے ہیں گاڑیوں میں گراں پہن کر لباس
اے کاش میں بھی رہتا واں سکون سے
جو اک تمنا تھی مرے دل میں بنی ہے یاس
شیدائی تھے جو قوم کے وہ ہیں وطن سے دور
اطہرؔ عدو بنے ہیں حکومت کے آج خاص

موویز آف سٹوڈنٹ لائف

کلاس.....برداشت　　حاضری.....ہیرا پھیری
کلاس روم.....وانٹری　　ٹیچر.....جانی دشمن
امتحان.....ایول ڈیڈ　　ایگزامینر.....ڈون
دوست پیپرز کے دوران.....ہم آپ کے ہیں کون؟
مارکنگ.....اندھا قانون　　امتحانی ٹائم.....قیامت
چیٹنگ.....لگے رہو منا بھائی　　امتحانی پیپرز.....پہیلی
جوابی کاپی.....کورا کاغذ　　نتیجہ.....صدمہ
پاس.....چمکتار　　فیل.....دیوداس
مستقبل.....نہ تم جانو نہ ہم

پرستار

ایک تقریب میں ایک مشہور مصنف کا تعارف ایک خاتون سے کروایا گیا تو وہ بولیں ۔ارے ہاں..... آپ تو بہت مشہور شخصیت ہیں ۔مجھے آپ کے سب ناول بے حد پسند آئے ۔خاص طور پر وہ ناول جو بہت ہی اچھا تھا۔کیا نام تھا اُس کا.....یاد نہیں آرہا..... کہانی بھی یاد نہیں آرہی بہت اچھا پلاٹ تھا مگر.....اس وقت ذہن میں نہیں آرہا..... ارے بھئی وہی ناول جس کے ٹائٹل پر لڑکی نے گلابی رنگ کی قمیض پہن رکھی تھی اور اس کے کانوں میں ڈائمنڈ کے جھمکے تھے.....!

سلیقۂ گفتار

کوفہ کے باشندوں نے مامون الرشید کے پاس گورنر کی شکایت کی اور کہا کہ اس کا تبادلہ کر دیں۔ ماموں نے حیران ہو کر کہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بہتر کوئی عادل اور راست باز کوئی نہیں ہے۔ اس پر ایک شخص بولا کہ اے امیر المومنین اگر ہمارا گورنر ایسا ہی ہے تو آپ کو سارے ملک سے انصاف کرنا چاہیئے۔ اور تھوڑے تھوڑے عرصے کے لئے اس کو ہر شہر کو مستفید کرنا چاہیئے۔ اگر ایسا کریں تو پھر بھی کوفے کے حصے میں تین سال سے زیادہ نہیں آئیں گے۔ ماموں اس بات پر ہنس پڑا اور گورنر کا تبادلہ کر دیا۔

باتیں خلیل جبران کی شیراز وحید خان

○ ایمان دل کے صحرا میں ایک ایسا سرسبز قطعہ زمین ہے جہاں فکر کے قافلے نہیں پہنچ سکتے۔

○ انسان کے خیال اور ادراک کے درمیان ایک مسافت ہے جسے اس کی آہِ پُرشوق کے سوا کوئی طے نہیں کر سکتا۔

○ کچلی ہوئی روح بھی فطری ضروریات سے نجات نہیں پا سکتی۔

○ اگر تم کسی چیز کے مالک بننا چاہتے ہو تو اسے اپنے نفس کے لئے مانگو۔

بڑے سے بڑے غنی اور بڑے سے بڑے فقیر کے درمیان حدِ فاصل ایک دن کی بھوک اور ایک ساعت کی پیاس ہے۔

○ اگر مہمان نہ ہوتے تو گھر قبرستان ہو جاتے۔

○ زندگی اتنی شیریں تو نہیں کہ اس کے پیچھے بھاگا جائے اور اتنی تلخ بھی نہیں کہ اس کے آگے بھاگا جائے۔ یہ تو ایک بینک کی مانند ہے جو کچھ اس میں جمع کرو گے وہی کچھ نکلوا سکو گے۔

○ زندگی کی مشکلات گھاس کی طرح ہوتی ہیں اگر ان پر توجہ نہ دی جائے تو یہ بڑھ جاتی ہیں۔

○ زندگی کے اخبار میں سب سے اچھا صفحہ بچوں کا ہوتا ہے۔

○ زندگی کا ہم پر کتنا احسان ہے کہ وہ ہم سے صرف ایک ہی بار روٹھتی ہے۔

○ زندگی ایک ایسا نغمہ ہے جس کی فرمائش کی جائے تو وہ دوبارہ نہیں چلتا۔

کتب و رسائل کی جدید و معیاری پرنٹنگ و ترسیل کا مرکز
یونیٹیک پبلیکیشنز Unitech Publications
برائے مہربانی کتب تیار کرنے، چھپوانے و منگوانے کیلئے رابطہ کریں:
Muslim Street - 143516, Distt. Gurdaspur (Pb.) INDIA.
khursheedkhadim@yahoo.co.in - Ph. 00 91 9815617814

ماں..... تجھ سا کہاں!!

کسی نے پوچھا.... ماں کون ہے؟؟

اولاد نے کہا : ممتا کی داستان ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

شاعر نے کہا : ایسی غزل ہے جو سنتے ہی دل میں اُتر جاتی ہے

مالی نے کہا : باغ کا ایسا پھول ہے جس کی خوشبو سے دنیا مہکتی ہے

بادل نے کہا : ایسی دھنک ہے جس میں ہر رنگ نمایاں ہے

سمندر نے کہا : ایسی ہستی ہے جو اولاد کے لاکھوں راز اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔

چاند نے کہا : وہ روشنی ہے جسے ٹھنڈک کہتے ہیں

ہواؤں نے کہا : ایسا رشتہ ہے جس کی جگہ کوئی اور نہیں لے سکتا۔

درخت نے کہا : وہ چھاؤں ہے جس کے سائے میں بیٹھ کر سکون ملتا ہے۔

مصنف نے کہا : وہ لفظ ہے جسے لکھتے ہوئے سرور آجاتا ہے۔

غزل ــــ رضیہ اسمٰعیل برمنگھم

دیواروں پر نقش بناتی رہتی ہوں
خود کو لکھتی اور مٹاتی رہتی ہوں

پلکوں پر خوابوں کی تہیں جم جاتی ہیں
پلکوں سے پھر گرد اُڑاتی رہتی ہوں

یادیں جب بھی باہیں کھول کے آتی ہیں
یادوں سے میں ہاتھ چھڑاتی رہتی ہوں

روز کا رونا آنکھ کہاں تک دیکھے گی
اشکوں سے اب آنکھ چراتی رہتی ہوں

کہنے کی سو باتیں ہیں پر کیسے کہوں
سوچتی ہوں اور ہونٹ چباتی رہتی ہوں

بند گلی میں رستے ڈھونڈتی رہتی ہوں
رستوں کا پھر سوگ مناتی مرہتی ہوں

غزل ــــ مظفر احمد مظفر

آہ بے تاثیر نالہ نارسا میرے لئے
تنگ ہے، کیوں دامن مشکل کشا میرے لئے

میں تو سمجھا تھا کہ بچ کر ساحلوں پر آ گیا
تھی مگر اک منتظر موجِ بلا میرے لئے

ارمغانِ عشق ہے دارو رسن کا اہتمام
جور تیرا ہے کرم کی انتہا میرے لئے
درد کی لذت کا خوگر ہے دلِ بسمل مرا
چارہ گر مت کیجئے فکرِ دوا میرے لئے
آفتاب حشر کی شدت لگی بادِ نسیم
اُٹھ گیا جب آپ کا دستِ دعا میرے لئے
تیغ زن دینے لگا ہے،ضبطِ غم کا حوصلہ
بن گئی ہے موت کتنی خوش ادا میرے لئے
یاد ہے اتنا مظفرؔ کشتی عمرِ رواں
لے گیا طوفاں کی جانب ناخدا میرے لئے

غزل ــــ نصیر احمد ناصر بٹ

وہ اپنی بات کہنے کا بہانہ چاہتا ہے
وہ تم کو میرے ہاتھوں سے چرانا چاہتا ہے
کماں کو ہاتھ میں لے کر کھڑا ہے راستے میں
وہ میرے ہی تو سینے کو نشانہ چاہتا ہے
فقط وعدوں سے اب اس کو تسلی تو نہ ہوگی
وہ دل کے ساتھ پہلو میں ٹھکانہ چاہتا ہے
وہ ان کو دیکھ کر ہم سے چراتا ہے نگاہیں
وہ اپنا پیار غیروں سے چھپانا چاہتا ہے
ترے کوچے میں آتا ہے دیدار کرنے
ترے در سے محبت کا خزانہ چاہتا ہے
لئے پھرتا ہے اپنا دل ہتھیلی پر سجا کر
وہ یوں سوئے ہوئے جذبات جگانا چاہتا ہے
یہ ممکن ہے کہ انجامِ محبت سے ہو واقف
حقیقت کی جگہ پر وہ افسانہ چاہتا ہے
جفا کاروں کی بستی میں اُٹھاتا ہے جو صدمے
وہ دیوانوں سے اُلفت کو نبھانا چاہتا ہے
نجانے کیوں نہیں سمجھا ہے ناصرؔ اس کی باتیں
جو خود کو اس کی دنیا میں صحیح چاہتا ہے

غزل ــــ نجمہ شاہین

کیسے حسین پھول تھے اپنے شباب کے
اب تک لُبھا رہے ہیں سمن زار خواب کے
بھیجے تھے پھول خط میں سجا کر گلاب کے
سو منتظر کھڑے ہیں اب تک جواب کے
میں زندگی کا سامنا کرتی ہوں رات دن
یہ مشکلیں ،یہ حادثے ہیں کس حساب کے
ٹوٹے جو اپنے خواب تو پل میں فنا ہوئے
وہ ولولے، وہ جوش، وہ جذبے شباب کے
رندو ! سنا ہے شیخ جی تشریف لائے ہیں
پوچھو تو کیا ارادے ہیں عالی جناب کے
دیکھیں اگر اُنھیں تو ستارے ہوں شرمسار
ہیں داغِ دل بھی اپنے تو اس آب و تاب کے
تہذیب نو کی آپ وکالت کریں مگر
تیور کچھ اور کہتے ہیں اس انقلاب کے
نجمہؔ اپنے آپ مہکنے لگا قلم
اوصاف جب بھی لکھے ہیں میں نے جناب کے

غزل ــــ اشرف عطارد

لگتے تو ہیں سب اک انسان کی طرح
سچا ہو گر عشق اک قرآن کی طرح
ہوں سوچتا دن رات کیسے کروں بیاں
ملے ہو تم جہاں میں مہمان کی طرح
جب سے جدا ہوئی اکیلا تو چھوڑ کر
پڑا ہوں راہ گزر پہ اک انجان کی طرح
گزرے ہیں شب و روز تمہاری ہی یاد میں
کبھی آملو تنہائی میں مہمان کی طرح
خواب و خیال میں تو خدا بھی یاد ہے
عطارد کی داستاں اک عنوان کی طرح

○○

افسانہ:

روشنی ___ طلعت سلیم

پرس کندھے سے لٹکائے ہوئے ہاتھ میں چھوٹا سا تھیلا لیے وہ تیز تیز قدموں سے بس سٹاپ کی سمت چلنے لگی۔سخت موڈ آف ہو رہا تھا۔دن ہی ایسا تھا کچھ۔صبح آنکھ دیر سے کھلی۔لہٰذا ہر کام میں دیر ہوتی گئی۔غضب یہ ہوا کہ اس کے شوہر کو آج جلدی نکلنا تھا گھر سے اور یہاں معاملہ اُلٹ ہوتا نظر آیا تو کھڑے کھڑے چائے حلق سے اُتار کر اُسے برا بھلا کہتے کام پر چلا گیا۔بیٹا ہسپتال میں داخل تھا ان دنوں،سدا کا روگی تھا بے چارہ۔اس کا ہسپتال آنا جانا لگا رہتا تھا۔جس سے وہ ہمیشہ دُکھی اور ملول رہتی ۔کل شام اچانک حالت بگڑ جانے پر وہ اُسے ہسپتال چھوڑ آئے تھے۔تب سے اس کا دل اس میں اَٹکا تھا۔رات اسی کے خیال سے اُداس پریشان ہونے کی بنا پر نیند ڈھنگ سے نہ آئی اور نتیجتاً صبح وقت پر بیدار نہ ہو سکی۔ادھر صبح کی ڈاک سے خط آیا تھا پاکستان سے۔وہاں گاؤں میں زمین کی بابت مقدمہ چل رہا تھا۔اب دیور نے اطلاع دی تھی کہ وہ ہار کر ساری زمین سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔مارے رنج کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔وہاں غربت سے پیچھا چھڑانے یہاں آئے۔،پردیس کی سختیاں جھیلیں،پیسہ پیسہ کر کے بچت کی،ابھی مکان کی سوچ میں تھے کہ بیچ میں مکان کا جھگڑا نکل کھڑا ہوا۔تین بیٹیاں تھیں سر پر۔بیٹا ہوا بھی تو نہ ہوئے جیسا۔مکان کی صورت میں سوچا تھا کہ ایک ٹھکانا ہو جائے گا وہاں۔جمع پونجی بھی ہاتھ سے نکل گئی مقدمے کے بکھیڑوں میں۔۔۔کچن کی صفائی کرتے کرتے اس کی آنکھیں چھلک اُٹھیں۔کیا زندگی ہے،خوشی کیا سکھ چین کو جی ترستا ہے۔اگلے ہفتے اماں جی بھی تو آنے والی ہیں واپس،اس کا دل اس تصوّر سے ہی ڈوبنے لگا۔خود پانچ بچوں کی ماں ہو کر بھی،اس کے ہاں ایک کے بعد ایک بیٹی کی پیدائش پر،وہ خواہ مخواہ بات بات پر خفا ہونے لگی تھیں، بیٹا ہوا۔ذرا سا سلوک بدلا مگر جلد ہی اُس کی معذوری آشکارا ہونے پر اُٹھتے بیٹھتے اسے طعنے کوسنے شروع ہو گئی تھیں۔اب اگلے ہفتے واپسی پر دانتا کل کل شروع ہونے والی تھی۔سوچوں کی اس یلغار سے گھبرا کر وہ جلدی جلدی سارا کام نپٹا،چھوٹا سا تھیلا ہاتھ میں لئے باہر کو چل دی تھی سوچا ٹاؤن ہو آئے۔کچھ شاپنگ کچھ دل بہلاوا ہو جائے گا۔وہ ایسے سبک قدموں سے چلا کرتی،سہیلیاں اُسے مورنی کہا کرتی تھیں۔کوئی غم تھا نہ پریشانی،کیسی خوش باش زندگی تھی۔کب یہ سوچا تھا یہ اُداس اُداس بے کیف سی زندگی نصیب میں ہو گی۔غربت،تنگدستی،بیماری،جھگڑے پریشانی،انہی خیالوں میں تھی کہ موڑ کاٹتے ہوئے کونے میں کھڑے نوجوان نے بڑھ کر پمفلٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔اس کی شہ سُرخی اس کی آنکھوں کے آگے لہرائی۔

It is sunshine everywhere sunshine of love and happiness.

”خاک ہے اس دنیا میں۔سن شائن۔اونہہ۔اندھیرا ہے اندھیرا،جہاں مجھ ایسے ٹامک ٹوئیاں مارتے زندگی بتا دیتے ہیں۔“ وہ بُڑ بڑائی۔اس کا دل چاہا پمفلٹ اس کے منہ پر دے مارے اور اسے کندھے سے پکڑ کر پوچھے ”کہاں ہے خوشیوں کی دھوپ،محبت کی چاندنی،امیدوں کی خوشبو،آس کی روشنی؟ مجھے تو کہیں نظر نہیں آتا کچھ۔“ اتنے میں بس آ گئی۔سیٹ پر بیٹھتے بیٹھتے وہ غصے سے پمفلٹ کو مروڑنے لگی۔اچھا ہے کوئی ساتھ نہ بیٹھا تھا ورنہ اس کے ستے چہرے،بھنچے لبوں کو کس حیرت سے دیکھتا۔کیا ہوا ہے اسے؟ وہ خیالوں میں گُم یونہی شیشے سے باہر کو دیکھنے لگی۔ایکسیوزمی پلیز۔! پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی عورت نے اس کا کندھا ہلایا تھا۔وہ چونک کر اس کی سمت مُڑی بُل رنگ تک Bull ring جانا ہے۔جب سٹاپ آئے تو بتا دیجیئے۔اس نے دیکھا وہ نابینا تھی اور ساتھ ہی کس قدر کمزور۔اسے بھی تو وہیں اُترنا تھا۔اس کا ہاتھ تھام کر نیچے اُتری تو وہ چھڑی سے راستہ ٹٹولتی اس کے ساتھ ساتھ ہی چلنے لگی۔

Lovely day isn't it Oh yes وہ خوشدلی سے مسکرائی۔۔۔کہتے کہتے وہ دم بھر کو ٹھٹھکی،کس خوبصورتی سے بات کر رہی ہے یہ؟۔” روشنی۔۔۔وہ روشنی۔۔۔جو اس کے دل میں ہے جس کا پرتو اس کے اردگرد پھیلی ہوئی تاریکی کو جلا بخش کر اس کے لئے خوبصورت بنا رہا ہے۔اس کے ہنستے مسکراتے چہرے پر مسکراتے چہرے پر دوبارہ نظر ڈالتے ہوئے وہ خجل سی ہو کر رہ گئی۔جیسے اپنے آپ سے شرمندہ ہو رہی ہے۔۔۔” کون سے اندھیروں پر رنجیدہ ہو رہی تھی میں،اپنے آنگن کے اندھیرے پر،آسمان پر کچھ دیر ٹھہر جانے والے بادل کا اتنا غم،اتنا ملال،دم بھر کر ٹھہر کر جانے والے بادل سے پرے بھی تو بہت کچھ ہے۔۔۔“ اس نے آسمان پر نگاہ کی۔نیلے آسمان کے وسط میں سورج جگمگا رہا تھا۔سنہری سنہری دھوپ میں اس نے اردگرد دیکھا۔”اگر میں یہ سب نہ دیکھ سکتی تو۔۔۔“ میرے بچوں کے خوبصورت چہرے،میرا شوہر میرے گھر کے در و دیوار۔۔۔دنیا کتنی خوبصورت ہے!

واسکوڈے گاما Vasco De Gama

پرتگال کا مہم جو اور جہاز ران جس نے ۱۴۹۷ء میں ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کیا۔رئیس گھرانے میں پیدا ہوا۔نوجوانی ہی میں اس قدر شہرت حاصل کر لی کہ شاہ پرتگال نے دربار میں طلب کر کے ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کرنے کا حکم دیا۔۸ جولائی ۱۴۹۷ء کو وہ اس کٹھن مہم پر روانہ ہوا۔اور چند ماہ کے بعد ہندوستان کے جنوبی مغربی ساحل پر کالی کٹ شہر میں اُترا۔اس کامیابی پر بادشاہ نے اسے انعام و اکرام سے نوازا۔اور امیر البحر کے خطاب سے نوازا۔۱۵۰۲ء میں اس نے ہندوستان کا کا ایک بحری سفر کیا۔۱۵۲۴ء میں اسے ہندوستان میں پرتگالی مقبوضات کا وائسرائے مقرر کیا گیا۔مگر آمد کے بعد ہی دو ماہ میں انتقال کر گیا۔

نیٹ بال Netball

باسکٹ بال کی طرح کا کھیل ہے باسکٹ بال گو مردوں کا کھیل ہے۔لیکن لڑکیاں بھی کھیلتی ہیں۔اس کے برعکس نیٹ بال عام طور پر لڑکیوں کے لئے مخصوص ہے۔باسکٹ بال کی طرح یہ کھیل بھی باہر میدان میں کھیلا جاتا ہے۔گیند بھی اسی طرح کی ہوتی ہے۔اور گول کرنے کا طریقہ بھی وہی ہے۔لیکن اس میں عقبی بورڈ نہیں ہوتے۔نیٹ بال میں پانچ کی بجائے سات کھلاڑی کھیلتے ہیں۔اور متبادل کھلاڑیوں کی اجازت نہیں ہوتی۔اس کا کورٹ ۳۰۔۵ میٹر یا ۱۰۰ فٹ لمبا اور ۲۵۔۱۵ میٹر یا ۵۰ فٹ چوڑا ہوتا ہے۔اور گول پوسٹ ۱۰ فٹ اونچی ہوتی ہے۔

غزل__عطاءالحق

ٹوٹ جاؤں تو بکھر جاؤں
پھر ترے ہاتھ سے سنور جاؤں
صبح نکلوں میں پنچھیوں کی طرح
شام ہوتے ہی اپنے گھر جاؤں
جان سے بڑھ کر اور کیا لے گا
اس کے کوچے میں بے خطر جاؤں
اپنے افکار کی شرابوں سے
سارے پیاسوں کے جام بھر جاؤں
یاد رکھیں مجھے جہاں والے
حقؔ کوئی کام ایسا کر جاؤں

غزل__عاصی صحرائی

عشق جب سے ہوا ہے ایمان میرا
دشمن تب سے ہوا ہے جہان میرا
بند ہوا درِ قفس جب سے
ہر پرندہ ہوا ہے پریشان میرا
میں نے رقیب کو پھول بھیجے تھے
تب سے شروع ہوا ہے نقصان میرا
جوزمان و مکان سے باہر ہے
وہی ایزد وہی ہے یزدان میرا
دوستوں کو پریشان کرتا رہتا ہوں
اسی لئے آج دل ہوا ہے پریشان میرا
بات کو جتنا بھی انسان اہم کردے
پھر بھی بالا ہے کلام رحمان میرا
عاصیؔ ذکر خدا میں ہے برکت
ورنہ میں کیا اور کیا ہے وجدان میرا

غزل__عبدالجلیل عباد، جرمنی

آج خود سے پہلی بار ملا
کچھ نہ پوچھو کیا آزار ملا
آئینہ آنکھ میں ہی ٹوٹ گیا
دل بے چارہ تو خون بار ملا
آنکھ خود سے بھی نہ ملا پایا
اتنا خود سے میں شرمسار ملا
مدتوں بعد جا کے رستے میں
مجھ کو پھر سے ہے میرا یار ملا
کیا بتاؤں کہ کتنا پیار آیا
جب سے مجھ کو یہ غم گسار ملا
اس محبت کی داستاں کو بھی
پیڑ کتنا یہ خوشبودار ملا
جب سے آکر اُتر گیا رُوح میں
ذہن و دل کو عجب خمار ملا
تا رہتا ہوں بخت سے، کیوں کے
غم بچھڑنے کا بار بار ملا

غزل__مبارک احمد مبارک، لندن

تلاش و جستجو گر کُو بہ کُو ہو
تجھے حاصل وہ یار خوبرو ہو
وہ کافر تھا کہ جو انکار کرے
مے و مطرب ہو اور جام و سبو ہو
تجھے خود سے حجاب آئے اگر تو
گھڑی بھر آئینے کے روبرو ہو
جوانا! سرخ رُو دنیا میں ہوگا
اگر علم و ہنر کی جستجو ہو
سرِ مے خانہ ساقی مہرباں ہو
تو پھر رندوں میں برپا ہاؤہو ہو
وہی محفل رہے گی رونقوں پر
جہاں جلوہ نما اے شوخ! تو ہو
یہی ہے باصفا رندوں کی محفل
وہی آسکتا ہے جو باوضو ہو
غزل تیری الاپے اے مبارک
وہی مطرب جو سب میخوش گلو ہو

غزل ــ اشتیاق زین

ہر کوئی پریشاں بس، آشیاں کے بارے میں
کس کو ہے پڑی سوچے، گلستاں کے بارے میں
جن کی سوچ پر یارو ! پستیوں کا پہرہ ہو
تذکرہ ہی کیا اُن سے آسماں کے بارے میں
راستوں کی دلدل نے کردیا جنہیں تنہا
سوچ سوچ روتے ہیں کارواں کے بارے میں
عمر بھر کی تاریکی، پھر نصیب میرا تھی
خواب ایک دیکھا تھا، کہکشاں کے بارے میں
پل میں توڑ ڈالے گا، سلسلے وفاؤں کے
ہم نے کب یہ سوچا تھا، بدگماں کے بارے میں
زینؔ ہم نے دیکھا ہے، آ کے دشتِ اُلفت میں
سب غلط تھے اندازے، اس جہاں کے بارے میں

غزل ــ ناظر فاروقی

نہ دوزخ نہ باغِ ارم دیکھتے ہیں
گنہگار شانِ کرم دیکھتے ہیں
محبت میں جو بیش کم دیکھتے ہیں
وہی راہ کے پیچ و خم دیکھتے ہیں
جو ہر شے میں خود کو چھپائے ہوئے ہیں
اسے بند آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں
کدھر کو ہے رُخ آج کل آندھیوں کا
اُدھر اہلِ دانش بھی کم دیکھتے ہیں
نمازِ محبت ادا کرنے والے
کہاں سوئے حرم دیکھتے ہیں
فرشتہ صفت ہیں جو اپنی خوشی میں
زمانے کے رنج و الم دیکھتے ہیں
یہ کچھ دن سے ناظرؔ کو کیا ہو گیا ہے
اُسے میکدے میں بھی کم دیکھتے ہیں

فیض احمد فیضؔ

رات یوں دل میں تری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آ جائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آ جائے

غزل ــ فوزیہ مغل۔لندن

مرا ساتھ دینا میرے ہم سفر
میں ہوں کالی راتوں کا پچھلا پہر
اور تجھی سے ہی ممکن ہے میری سحر
کر گئی دل پہ جادو محبت تری
ہوئی آج خود سے بھی میں بے خبر
نہ ملنے غم تم سے دل کو نہیں
قیامت میں ملنا ہے آسان تر
مجھے ضبط غم کا جو فن آ گیا
تو ہوتا نہیں اب غموں کا اثر
ستانے سے فرصت نہیں تھی جنہیں
وہی رو دے اب میرے حال پر
مقدر لے آیا مجھے اس جگہ
ملی جس جگہ سے نہ اُن کی خبر
وہ دل ہی کی بستی میں آباد تھا
رہی فوزیہ ڈھونڈتی در بدر

غزل ــ شہزاد اسلم ہڈرزفیلڈ

کوئی سورج نواں، مدار نواں
اس نویں لئی ،کوئی دیا نواں
ٹھنڈ دل وچ پوے نویں کوئی
ویریاں نوں چڑھے بخار کوئی
عشق دے اس پرانے جال لئی
حسن کوئی نواں، شکار نواں
کد تک ایہو بہار ایہو خزاں
مالک اس وار کجھ اتار نواں
کون ہویا اے کول ہو کے پرے
درد اُٹھیا اے پہلی وار نواں
جام وچ عکس اے اوہدے مُکھدا
ایویں اکھیاں وچ نئیں خمار نواں
ہجر وچ نئیں رہیا مزا ہن اوہ
تیر دل وچوں گزار نواں

اُٹھ رہے نیں قدم ستاریاں ول
سیر لئی ہے نہ ایہ بزار نواں
ویہ شہزادؔ! جوڑ توڑ تیرے
اوہو اکھر نیں پر نکھار نواں

غزل ــ نعیم مرزا جوگی ہڈرزفیلد

دُکھاں تے تکلیفاں میرے گھر وچ ڈیرے لائے
دھیاں پُتر چھڈ گئے مینوں چھڈ گئے مامے تائے
ہر سُکھ اس دنیا دا مینوں چھڈ کے ہو گیا راہی
نہ کوئی مینوں دعا لگدی اے نہ دارو نہ دوائی
تینڈھے باجھ حیاتی مائیں ڈاھڈی اوکھی ہوگئی
جرماں نالوں ود سزامیں اس دنیا وچ بھوگی
تیرے پیراں تے سر رکھ کے روواں تے کرلاواں
جنی چھیتی ہو جائے مائیں تیرے کول آجاواں
اک دوجے ملئے مائیں کر کر لمبیاں بانواں
توں میرے والاں وچ ہتھ پھیریں میں قدماں وچ سوجاواں
آخری خواہش جوگی دی رب کرے جے پوری
ملک الموت میل کرادے مُک جاوے ایہ دوری

غزل ــ ندیم اجمل لورپول یوکے

آئینہ ٹوٹا سزا کہتے ہوئے
مجھ کو اک حادثہ کہتے ہوئے
لوگ گزرے آگہی کے باوجود
زور آور کو خدا کہتے ہوئے
خاک ہو جائیں آنکھیں دوستو
سرخ آندھی کو ہوا کہتے ہوئے
درد تم کہتے تھے جس کو لا دوا
پی رہا ہوں لا سوا کہتے ہوئے
خوش تو تیرے در پہ آیا تھا ندیمؔ
رو پڑا پھر نہ جانے کیا کہتے ہوئے

غزل ــ آفتاب حسین آسٹریا

دوشیزہ زمینیں ہیں ممنوعہ علاقہ ہے
لیکن مجھے لگتا ہے یہ میرا علاقہ ہے
ہر سانس میں شامل ہے خوشبوئے نفس اُس کی
اس باغ تمنا سے کیا اپنا علاقہ ہے!
دل ہاتھ میں لے کر ہم دنیا سے نکل آئے
اب دل کے تصّرف میں دنیا کا علاقہ ہے!
صحرا کی مسافت میں پانی کا کوئی چشمہ
ان سارے علائق میں وہ ایسا علاقہ ہے!
بڑھتا ہوں اگر آگے،واپس بھی پلٹتا ہوں
ملحق کہیں خوابوں سے یادوں کا علاقہ ہے!
اے بانوئے بے پروا! آدل کی طرف بھی آ
یہ میری محبت ہے ،یہ تیرا علاقہ ہے

دنیا کے دس بڑے کتب خانے

۱۔لائبریری آف کانگریس: امریکا کے دارالحکومت میں واقع لائبریری 0 180ء میں قائم ہوئی۔اس میں ۲۹ ملین کتب کا ذخیرہ ہے۔

۲۔نیشنل لائبریری آف چائنا: چین کے دارالحکومت میں قائم یہ لائبریری دنیا کی دوسری بڑی لائبریری ہے۔اس میں ۲۲ ملین کتب ہیں اور یہ ۱۹۰۹ء میں قائم ہوئی۔

۳۔لائبریری آف رشین اکیڈمی آف سائینسز (سینٹ پیٹرس برگ): روس میں واقع یہ لائبریری ۱۷۱۴ء میں تعمیر ہوئی۔اس میں ۲۰ ملین کتب موجود ہیں۔

۴۔نیشنل لائبریری آف کینیڈا: کنیڈا کی نیشنل لائبریری ۱۹۵۳ء میں قائم ہوئی۔اس میں ۸۔۱۸ ملین کتب موجود ہیں۔

۵۔جرمن نیشنل لائبریری: فرینکفرٹ جرمنی میں واقع اس لائبریری میں ۵۔۱۸ ملین کتب موجود ہیں۔یہ ۱۹۹۰ء میں قائم ہوئی۔

۶۔برٹش لائبریری: لندن میں واقع اس لائبریری میں ۱۶ ملین کتب کا ذخیرہ ہے۔۱۷۵۳ء میں قائم ہوئی۔

۷۔ رشین اکیڈمی آف سائینسز: ماسکو کی اس لائبریری ۵ء۱۴ ملین کتب موجود ہیں اور ۱۹۶۹ء میں قائم ہوئی۔

۸۔ ہارورڈ یونیورسٹی لائبریری: یہ لائبریری ۱۹۳۸ء میں قائم ہوئی۔ اس میں ۱۳ ملین کتب موجود ہیں۔

۹۔ ورناٹسکی نیشنل سائنٹیفک لائبریری: اس لائبریری میں ۱۳ ملین کتب ہیں۔ یہ ۱۹۱۹ء میں تعمیر ہوئی۔ ۱۰۔ نیو یارک پبلک لائبریری: اس میں ۱۱ ملین ہے۔ یہ ۱۸۹۵ء میں تعمیر کی گئی۔ (سنڈے ایکپریس ۲۵ مارچ ۲۰۰۷ء)

امتحان

☆ دوست کا امتحان مصیبت میں ہوتا ہے
☆ بیوی کا امتحان غربت میں ہوتا ہے
☆ مومن کا امتحان غصے میں ہوتا ہے
☆ آنکھ کا امتحان بازار میں ہوتا ہے
☆ زبان کا امتحان محفل میں ہوتا ہے
☆ دل کا امتحان عشق میں ہوتا ہے
☆ ہاتھ کا امتحان دسترخوان پر ہوتا ہے
☆ انسان کا امتحان قبر میں ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر اچھے امتحانوں میں ہمیشہ کامیاب کرے۔ آمین۔

’’کنارِ زمین تک‘‘ ... کلام رشید قیصرانی پر تبصرہ

رشید قیصرانی مرحوم ایک ایسی نامور اور عہد ساز شخصیت تھے جس نے اردو شاعری ادب کو ایک نئی لغت نئے منظر سے آشنا کیا اور اس طرح اس صنف سخن کی پوری کائنات کو متاثر کیا ہے۔ معروف نقاد ڈاکٹر انور سدید ان کی شاعری کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔’’ رشید قیصرانی نے کتابی غزل کہنے کی بجائے غزل کی نئی کتاب مرتب کی ہے۔ یہ غزل جو غالب کی جدیدیت کے بعد رکی سی نظر آتی تھی۔ رشید قیصرانی نے اسے اپنے لمس سے لفظوں کی بیاض عطا کی ہے‘‘۔

اس پر مزید لکھتے ہیں:۔’’ رشید قیصرانی نے اردو غزل کو نئی زمینیں، نئے تماثیل اور نئے علائم و رَمُوز عطا کئے ہیں اور یوں اس نے ملتان میں بیٹھ کر دلی، لکھنو اور لاہور کو متاثر کر ڈالا ہے اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔ رشید قیصرانی نے جس والہانہ پن سے خالقِ کائنات سے عشق کا اظہار کیا ہے پروفیسر عرش صدیقی مرحوم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔’’ رشید قیصرانی کے دوہوں میں سرشاری اور بے خودی کی جو کیفیت ہے وہ محبوب کے سامنے اپنی ذات کو ختم کر دینے، والہانہ پن سے اُسے چاہنے اور اس کی عنایت کے لئے دستِ سوال دراز رکھنے سے ہوتی ہے جس خوشبو سے یہ شاعری معطر ہے وہ آج کل کمیاب ہے عصر نے اُن کی سائیکی میں ڈوب کر زمانوں کی اس جذباتی اکائی کی وسعت حاصل کر لی ہے جو صرف صوفیاء کے ہاں ملتی ہے محبوب کی ذات کے ساتھ کائنات اور خالقِ کائنات کی ذات سے قربِ باطنی کا جذبہ موجزن ہے، یارِ من گیا تو ساری کائنات بانہوں میں آ گئی ، رشید قیصرانی کے ہاں لرزاں مہجوری کا درد صرف صوفیانہ سطح پر ہی محسوس کیا جا سکتا ہے‘‘۔ (رشید قیصرانی فن اور شخصیت مرتبہ خالد اقبال یاسر)

نورِ فرقاں

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اَجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
حق کی توحید کا مُرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے یہ چشمہ اَصفیٰ نکلا
یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیّا نکلا
سب جہان چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں
مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
کِس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا
ہے قصور اپنا ہی اَندھوں کا وگرنہ وہ نور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیّر بیضا نکلا
زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دنیا میں
جن کا اس نور کے ہوتے بھی دل اعمیٰ نکلا

❁

لا تفرّقو: ـــــ عاصی صحرائی لندن

کہانی تمہیں اک سناؤں طالبان کی
جس نے اب ساری دنیا پریشان کی
تھا ایک غریب مخلص ہمارے گاؤں میں
چوکیدار جیتا تھا ہردم تاروں کی چھاؤں میں
پچھلے ماہ وہی مرگیا چاچا خارا
سیدھا، سادہ، بھولا، بھالا، بندہ، نیکو کارا
نہ تھے اُس کے بیوی بچے، اکیلا تھا بے چارا
مرتے وقت اُس نے گاؤں بلوایا تھا سارا
خلوصِ دل سے سنایا اپنے دل کا افسانہ
میرے بعد بھائیو! میری جگہ مسجد بنانا
سب نے ملکر پھر اُس کا مکان گرایا

دس دنیا اور ستر آخر سب نے ثواب کمایا
اس کارِ خیر کے لئے کردی ہر سُو منادی
چندہ دینے کیلئے پھر آئی پوری آبادی
کوشش سے سب تعمیر کرنے لگے وہ اراضی
ہر اذان پر کچھ آنے لگے نمازی
تعمیر مسجد دیکھ کر سب طالبان نے ٹانگ اڑائی
شیعہ، سُنی، دیوبندی، وہابی کرنے لگے لڑائی
مرنے والا ہمیشہ سینے پہ ہاتھ باندھتا تھا
سُنی کہیں تھا وہ پکا سُنی سارا جہاں جانتا تھا
مرنے والا رائے ونڈ جاتا تھا سالانہ
دیو بندی تھا وہ پکا اب کوئی نہ کرے بہانہ
مومن تھا وہ مگر ماتم بھی کرتا تھا کبھی کبھی
شیعہ تھا وہ پکا سبیل محرم بھی لگاتا تھا کبھی کبھی
ناف پہ ہاتھ، شلوار بھی اونچی باندھتا تھا
تھا وہابی پکا، رسولِ خدا کو بشر جانتا تھا
طالبان کو اب پڑ گئیں مسجد پر قبضے کی تانگاں
اس عوامی دنگل میں نکال لیں سب نے ڈانگاں
ایسی تُو تُو میں میں جو لگی بند ہو گئیں اذانیں
بیس زخمی گئے ہسپتال باقی پہنچ گئے ہیں تھانے
لاتفرقو! کی دیکھو ظالمان نے کی تفسیر انوکھی
جہاں بنی تھی مسجد وہاں بن گئی پولیس کی چوکی
تھانے چلے ہیں کیس ہسپتال لگن ڈرپ، ٹیکے
چاچا خارا اگلے جہاں پیا ثواب اڈیکے

مفلسی کی دھوپ

بولیں بیگم ایک دن
کچھ کام کیوں نہیں کرتے؟
مفلسی کی دھوپ سے بچے چھوہارا ہو گئے!
چیخ کر بولے میاں
اب اس سے بڑھ کر کیا کروں؟
ہم بھی کبھی تربوز تھے، آلو بخارا ہو گئے!

دنیا کے امیر ترین بحری جہاز

فراز حمید خاں

پہلے جہاز کے مالک شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز السعود ہیں۔جس کی مالیت ۷۳ ملین ڈالرز امریکی ہے۔یہ جہاز ۱۹۸۴ء میں بنا۔اس میں ۲۲ مہمانوں کے علاوہ ۱۴ مزید افراد پر مشتمل سٹاف کی جگہ بھی ہے۔اس میں ایک ریسٹورنٹ بھی ہے۔

دوسرا جہاز جس کے مالک شیخ راشد المختوم ہیں۔اس کی مالیت ۳۰۰ ملین ڈالرز ہے۔اس میں ایک ہیلی پیڈ، کشادہ ڈائننگ ہال، وی آئی پی کمرے موجود ہیں اور فل ائرکنڈیشنڈ ہے۔

تیسرا جہاز جس کے مالک سلطان قابوس ہیں۔اس کی مالیت ۱۰۹ بلین ڈالرز ہے اس میں ۶۵ مہمانوں اور ۴۰ سٹاف ممبرز کی جگہ موجود ہے۔

چوتھا جہاز جس کے مالک الولید بن طلال السعود ہیں۔اس کی مالیت ۴۰۰ سو ملین یورو ہے اس کی رفتار ۳۵ میل فی گھنٹہ ہے ابھی یہ زیر تعمیر ہے اور اس کی تمام خصوصیات کو خفیہ رکھا جا رہا ہے۔

پانچواں جہاز جس کا مالک بھارتی بزنس مین انیل انبانی ہیں اس کی مالیت ۸۰ ملین ڈالرز ہے اس میں کلاسیکل ایریا، پانچ کیبن ہیں۔

چھٹا بحری جہاز جس کے مالک لکشمی متل ہیں۔اس میں سوئمنگ پول ایک سیلون اور ۱۶ مہمانوں کے ساتھ ۲۲ سٹاف ممبرز کی جگہ موجود ہے۔

(روزنامہ جنگ ۲۴ مئی ۲۰۱۳ء)

بُلھے شاہ

مرسلہ: بی اے رفیق

رب رب کردے بُڈھے ہو گئے مُلاں پنڈت سارے
رب دا کھوج کھرا نہ لبھا، سجدے کر کر ہارے
رب تے تیرے اندر وسدا، وِچ قرآن اشارے
بُلھے شاہ! رب اوہنوں ملسی جیہڑا اپنے نفس نوں مارے

مسجد ڈھادے مندر ڈھادے
ڈھینداں جو کجھ ڈھادے
اک بندے دا دَل نہ ڈھاویں
رب! دلاں وچ رہیندا

میں پاکستان ہوں

رانا عبدالرزاق خاں لندن

وطن عزیز کے باسیو! میں پاکستان ہوں۔ میں تمہارا جنت نظیر پیارا وطن ہوں۔ میں اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ ہوں تم سب میری پناہ میں ہو! آزاد اور خودمختار ہو!۔ میں حضرت قائداعظمؒ کے خوابوں کا جزیرہ ہوں۔ میں شمع آزادی کے لاکھوں پروانوں کی قربانیوں کا ثمر ہوں۔ میں بیسویں صدی کا معجزہ ہوں۔ میری بنیاد دوقومی نظریہ پر رکھی گئی تھی۔ میں داغ ہجرت کی تفسیر ہوں۔

آج سے تقریباً ۷۲ سال پہلے کی بات ہے کہ آج ہی کے دن لاہور میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔ جس میں برّصغیر پاک و ہند کے نامور مسلم قائدین شامل تھے اسی جلاس میں ایک قرارداد پیش کی گئی۔ جسے میرے نام سے منسوب کیا گیا۔ یعنی قرارداد پاکستان۔ اگرچہ مجھے بنانے کا مشورہ تو پہلے ہی کافی عرصے سے چل رہا تھا۔ مگر اب ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ کو مجھے بنانے کا پکا ارادہ کرلیا گیا تھا۔ مارچ 1940ء کو جب مسلمانان ہند قائداعظم کی قیادت میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے تو انہوں نے بادشاہی مسجد کے فلک بوس میناروں اور راوی کے سرسبز و شاداب کناروں کو گواہ بنا کر قرارداد لاہور پیش کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی غیر ملکی حکمرانوں کے ایوانوں پر لرزہ طاری ہوگیا تھا۔ میرا نام ''پاکستان'' میرے ایک سپوت بیرسٹر چودھری رحمت علی نے رکھا۔ قائداعظم اور اسکے رفقائے کار مسلم لیگیوں نے اس خاکے میں رنگ بھرے۔ لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، سر ظفراللہ خان، فاطمہ جناح آگے آئے۔ یہ لوگ میرے خدمت گار تھے۔ انہوں نے میرا نام روشن کیا، میرا وقار بلند کیا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ میری تحریک کے قائد تھے۔ انہوں نے قرارداد منظور ہونے کے بعد مجھے بنانے کے لئے انتھک محنت شروع کردی۔ اور برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر تقریباً سات سال کے عرصے میں مجھے پایہء تکمیل تک پہنچا دیا۔ میرے بانی قائد اعظم محمد علی جناحؒ ایک بہادر انسان تھے۔ وہ ایک مضبوط کردار کے مالک تھے۔ وہ اٹل، مستقل مزاج اور اصول پسند تھے۔ ان کی گفتگو مدلل اور سحر انگیز ہوتی تھی۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ ذہین پارلیمانی شخصیت ایک ہشیار نقاد اور بے لوث سیاستدان تھے۔ ان کا بے مثال جذبہ حُریت اور شبانہ روز محنت ہی وہ سرمایہ تھا جس نے میرے جیسا (پاکستان) زندہ معجزہ دکھا دیا۔ جسے دیکھ کر ساری دنیا حیران و ششدر رہ گئی۔ ان کی شخصیت غیر معمولی صفات کی حامل تھی۔ وہ مسلمانان ہند کے سیاسی مسیحا تھے۔ ان کی ساری زندگی پر آج تک کسی نے انگلی نہیں اٹھائی۔ غیر کیا مخالف اور دشمن بھی ان کے کردار کے معترف تھے۔ وہ قائد جنہوں نے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اپنی ذہانت سے مجھے حاصل کیا۔ میں پانچ صوبوں پر مشتمل تھا۔ پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور بنگال جسے مشرقی پاکستان بھی کہتے تھے۔ میرے اپنے بھی میرے قیام پر خوش نہ تھے۔ قائداعظم کو کافر اعظم کہنے والے علماء سُوٗ نے مجھے پلیدستان، اور ناپاکستان کے نام سے پکارا۔ اور نام نہاد فتووں سے میرے اور اسلام کے تشخص کو بگاڑنے کی بھرپور کوشش کی۔ سوائے ایک (جماعت) کے کسی بھی مذہبی جماعت نے من حیث الجماعت میری تائید نہ کی۔ علمائے سُوٗ نے گاندھی اور نہرو کی خوب مدح سرائی کی۔ مجھے قسم ہے اگر میں جھوٹ بولوں۔ تاریخ آزادی کا مطالعہ کرکے دیکھ لو۔ انہی کھوٹے سکّوں نے بالآخر مجھے بدنام کرکے رکھ دیا۔ ہاں انفرادی حیثیت میں مسلمانوں نے میری تعمیر میں خوب حصہ لیا۔ میرے لئے لاکھوں انسانوں نے دنیا کی عظیم ترین ہجرت کی صعوبتیں برداشت کیں۔ نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ آگ اور خون کے دریا عبور کئے۔ میرے بیٹے سروں پر کفن باندھ کر باطل قوتوں سے ٹکراتے رہے۔ انہوں نے سردھڑ کی بازیاں لگا کر یوں شمع آزادی کو روشن رکھا اسی جدوجہد میں لاکھوں دُلہنوں کے سہاگ لُٹے، ماؤں کے لال قتل ہوئے، بہنوں کے بھائی مارے گئے۔ لاکھوں بچے یتیم ہوئے یہ درست ہے کہ غلامی کی اندھیری رات میں جشن چراغاں منانے کے لئے خون شہادت کے چراغ جلانے پڑتے ہیں۔ نوع انسانی کے اُجڑے ہوئے گلستانوں میں خون کی ندیاں بہائے بغیر بہاروں کا سماں پیدا نہیں ہوسکتا۔ قیمتی جانوں کی قربانیاں اور خاندانوں کی بربادیاں میری آزادی کے لئے خشت اول ثابت ہوئیں تب یہ آزادی ملی۔ مگر میرا وجود مسلسل غیر محفوظ رہا۔ میرے سر پر خطرات کے بادل منڈلاتے رہے۔ مجھے ہمہ وقت چیلنج درپیش رہے۔ قائداعظمؒ نے جن خطرات کی نشاندہی مارچ ۱۹۴۶ میں کی تھی۔ وہی بالآخر ہماری تباہی اور قومی انتشار، تفریق کا باعث بنی۔ انہوں نے دکھ بھرے لہجے میں انتباہ کیا تھا۔'' وہ دشمن قوتیں جو قیام پاکستان کے خلاف تھیں اپنی ناکامی کے بعد قوم کو تقسیم کرنے کے درپے ہیں۔ ان کے جھانسے میں نہ آنا۔ انہوں نے مزید انکشاف کیا تھا کہ بعض شرپسند عناصر دشمنوں سے پیسے لے کر انتشار پھیلا رہے ہیں۔

جو طبقہ منحنی سوچ کا علمدار تھا۔ اس نے مجھے دل سے آج تک تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ نہرو، گاندھی اور سرحدی گاندھی کے رویے طرح میرے وجود سے اب تک انکاری ہیں۔ اپنی مرضیاں مجھ پر مسلط کرنے کے درپے رہے۔ گروہی، لسانی، مذہبی سیاست کو فروغ دیا۔ اور اقتداری طاقتوں کے درباری بنکر اپنے مقاصد پورے کرتے

رہے۔ ماشل لاء آیا تو اسے سلام کیا اگر جمہوریت آئی تو اسے بھی سلام کر کے مفاد پرست ٹولے نے مطلب براری کو پورا کیا۔ بعض جبہ پوش نام نہاد علماء سُو جیسے میرے نام پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ ان اسلام کے ٹھیکیداروں نے مساجد کو اپنا بزنس بنا لیا۔ اور اسلام کے نام پر مدرسہ جات کھول کر ایک متشدد دین کی فوج ظفر موج تیار کر لی۔ مالی امداد سعودیہ سے حاصل کی (جن وہابیوں کو یہ کتا گردانتے تھے۔ نعوذ باللہ) ان کی امدادی رقوم کو اسی گروہ نے شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر لیا۔ اور لگے انکل سام کے سپاہی بن کر روسی یلغار کو جہاد اسلام سمجھ کر روکنے لگے۔ اور پھر اس وقت کے نام نہاد مرد مومن نے ہیروین کلچر، کلاشنکوف کلچر کو خوب پروان چڑھایا۔ اور اس کے علاوہ شیعہ سنی فساد کو پھیلا کر خون کے دریا بہائے۔ خود تو صاحب انجام بد کو پہنچے مگر مجھے بھی ایک مسلسل نہ ختم ہونے والی آگ میں دھکیل گئے۔ مجھ پر جنگیں مسلط کی گئیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ جیت کر مذاکرات کے میز پر ہار دی گئی۔ میجر جنرل اختر علی ملک کو دوران جنگ تبدیل کر دیا گیا تا کہ جیتی ہوئی جنگ کا سہرا شرابی یحییٰ خان کے سر پر سجایا جا سکے۔ بعد ازاں اگرتلہ سازش کیس کے ذریعہ بنگلہ دیش کی بنیاد رکھی گئی۔ دونوں پاکستان جو بھائی بھائی تھے۔ ان میں تفرقہ ڈال کر ہندو اور ہندو نواز ٹولے نے آمریت کے سائے میں بنگالی بھائیوں کے قومی اور انسانی حقوق غصب کرنے کی مسلسل کوششیں کیں۔ نام نہاد الشمس اور البدر کے خدائی فوجداروں نے تشدد کو فروغ دیا۔ اور جو کینہ ور تقسیم ہند سے اس دو قومی نظریہ کے جانی دشمن تھے۔ ان کو موقع مل گیا۔ لسانی اور مذہبی سیاست کا ڈھنڈورا پیٹا گیا اور یحییٰ خان کو مرد کامل قرار دینے والوں کی بات بن گئی۔ پھر ہوس اقتدار کے دیوانے آئے۔ جنہوں نے جیتی ہوئی پارٹی کو حکومت بنانے کی دعوت دینے کی بجائے اُدھر تم ادھر ہم کا نعرہ لگایا۔ انتہائی بُرا وقت اُس وقت دیکھنے کو ملا جب میرا ایک بازو مجھ سے الگ کر دیا گیا۔ میرے اندرونی اور بیرونی دشمن بالآخر 1971ء میں مجھے دو ٹکڑے کرنے میں کامیاب ہوئے نام نہاد قائد عوام نے لوگوں کو خوب بے وقوف بنایا۔ طلباء کو اساتذہ سے لڑایا۔ ہاری کو زمیندار سے لڑا دیا۔ مزدور کا خانہ دار کے گلے پڑ گیا۔ اس طرح سب نظام چوپٹ ہو گیا۔ روٹی کپڑے اور مکان کا ایسا پرکشش نعرہ دیا۔ کہ اسے خود کو تو ووٹ ملے مگر عوام کو کچھ نہ ملا۔ پھر اسنے اسلام کو استعمال کیا۔ اسلامی ممالک سے دولت ہتھیانے کی غرض سے اسلامی کانفرنس کا ڈھونگ رچایا۔ کہ اسلامی یکجہتی کا مظاہرہ کرنے کی خاطر خود مفتی دین متین بن بیٹھا۔ ایک کلمہ گو فرقہ کو اپنی کرسی کے زور پر اسلام سے نکالنے کی ناکام کوشش کی۔ اور خود اسلام سے نابلد اتنا تھا کہ جب اس پر اس کے ملک کے ہائی کورٹ میں اس پر مقدمہ چلا تو اسے نام کا مسلمان قرار دیا گیا۔ پھر اسے سمجھ آئی اور اس نے جواب دعویٰ داخل کروایا کہ مذہب انسان اور خدا کا معاملہ ہے۔ مذہبی طاقتوں کو اس کی بعض حرکات کہاں پسند تھیں۔ قومی اتحاد نے ملکر ایک جنرل سے مارشل لاء لگوا دیا۔ اور وہ بھی مرد مومن بننے کے چکر میں قادر مطلق بن بیٹھا۔ اسنے قائد عوام کو پھانسی کے پھندے پر لٹکایا۔ اور خود جہاد افغانستان کا مجاہد بن کر عالمی لیول پر اسلامی ملکوں کی نوجوان نسل کو جنت دلوانے کی خاطر روس کے خلاف جنگ میں جھونک دیا۔ لالچ اور طمع نے اس کی آنکھیں بند کر دی تھیں۔ پیپلز پارٹی کے کارکنوں کا جینا دوبھر کر دیا۔ عورتوں تک کو کوڑے مارے گئے۔ اور اسلامی شریعت نافذ کرنے کی کوشش میں سستی شہرت حاصل کرنے کی خاطر ایک کلمہ گو فرقہ پر اسلام دشمن پابندیاں لگا دی گئیں خود کلمہ گوؤں کو مسلمان کہنے پر اور اپنی مسجد کو مسجد کہنے پر، آپس میں سلام کہنے پر تین سال قید سنا دی گئی۔ اور مزید یہ کہ توہین رسالت کا مرتکب قرار دے کر سزائے موت یا عمر قید کی سزا رکھ دی گئی۔۔ خدائے قہار نے اسے بھی جلد ہی عذاب النار میں ڈالا۔ اور وہ عبرتناک نظارہ کل عالم نے دیکھا۔ بعد ازاں جمہوریت نے پر پُرزے نکالے۔ جو کہ فوج اور بیوروکریسی کو راس نہ آئے۔ فوج کہتی تھی کہ وہ اصل حاکم ہے۔ اور جمہوریت کہتی کہ میں۔ بیوروکریسی دونوں سے آگے تھی۔ میرے ہم وطنوں نے خوب غیر انسانی حرکات کر کے انسانیت کی دھجیاں اڑائیں۔ اور ان کی خوب جگ ہنسائی ہوئی۔ اسلامی انتہا پسندوں نے خیالی اسلام کے نفاذ کے لئے طالبان کی بنیاد بھی ڈالی۔ جس نے سارے عالم اسلام کو بدنام کر کے رکھ دیا۔ ملک دشمن عناصر اور شکست خوردہ عناصر، جابر سعودیہ کے پاپروردہ، تیل کی دولت کے بل بوتے پر افغانستان اور پاکستان میں خیالی اسلام کی تنفیذ کا خواب دیکھنے لگے۔ گولی اور اپنی بربریت سے وہ میری گلیوں کو خون ریز کر کے نہ معلوم کونسا اسلام نافذ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ میرے کھیت ان ظالموں نے ویران کر دیئے۔ مساجد اور عبادت گاہیں برباد کر دی گئیں۔ معصوم کلمہ گو انسانوں سے خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے۔ اُمراء ان ظالمان کو بھتہ دے کر اپنی جان بخشی کا پروانہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور غرباء اس کے ظلم کا شکار ہیں۔ حکومت ان ظالمان کو ایک حکومت سمجھ کر مذاکرات کے درپے ہے۔ ان حالات نے میرے جسم کو پارہ پارہ کر رکھا ہے۔ نہ مجھے اسلام کی اور نہ مسلمان کی روز بروز بدلتی رہتی تفسیر کا پتہ چلتا ہے۔ میرا وجود حضرت یوسفؑ کے بھائیوں میں ایک معصوم کی طرح پھنس کر رہ گیا ہے۔ نہ معلوم کب یہ مجھے اندھے کسی کنوئیں میں پھینک دیں۔

میرے سیاسی اور مذہبی راہنماؤں میں سے ایک بھی قائد اعظم کے کردار کے مطابق نہیں۔ کوئی ہندو بنیے کو سلام کر رہا ہے۔ کوئی انکل سام کو۔ کوئی اپنی انانیت کا شکار ہے۔ کوئی عقل کل بن بیٹھا ہے۔ اقبال کا شاہین تو کوئی نہ بن سکا مگر کوؤں کی صفات میں سب مشترک وعیاں ہیں۔ اگر ایک قائد اعظم میری قوم کو خدا تعالی اور دے دیتا تو آج امریکہ اور یورپ کے لوگ میرے پاس نوکریوں کے لئے آتے۔ ہاں یہ کیسے ممکن تھا۔ میرے علماء و اساتذہ مایوسی اور انگریز کی غلامی کا شکار رہے تھے۔ انہوں نے وہی درس قوم کے جوانوں کو دیا۔ بداخلاقی، چوری چکاری، کسی کا حق غصب کرنا، ظلم کرنا، کذب وافتراء سے دولت اکھٹی کرنے کے راستے بتائے۔ جو لیڈر

بڑا فراڈ کرے وہ سب سے زیادہ عزت دار گردانا جاتا ہے۔ جو ناجائز طریقے سے دولت کے انبار جمع کرے وہ بہتر شہری، معزز مسلمان گردانا جاتا ہے۔ جو عالم بے عمل واعظ کرتے ہوئے منہ سے جھاگ نکالتے ہوئے اپنے مخالف کو ناجائز لتاڑے اور بے ہودہ فتوے دے وہ قابل آفرین ہے نا کہ قابل نفرت۔ جو اہل کار سب سے زیادہ رشوت لے وہ معزز کہلاتا ہے۔ جو جج زیادہ بے انصافی کرے وہ بہتر منصف کہلاتا ہو اور جلد ہی بڑے کورٹ کا جج بن جاتا ہے۔ جو گاؤں کا چودھری زیادہ ظالم اور زانی ہو وہ معزز کہلاتا ہے۔ جو تھانیدار ہر شب کو رنگین بنائے وہ معزز کہلاتا ہے۔ جو جاگیردار اپنی جیل رکھتا ہو اور لاکھوں لوگوں کا ان داتا ہو اور تھانے کچہری میں اس کی سفارش چلتی ہو وہ معزز ہے۔ یہاں اسلام کا مفہوم ہی بدلا ہوا ہے۔ اسلام عمل کرنے کے لئے نہیں ستعمال کرنے کے لئے ہے۔ مطلب براری کے لئے ہے۔ اسی لئے تو یہ ملک کوئی اور قائد اعظم پیدا نہ سکا۔ کیونکہ پونجا جناح اور مٹھی بائی کردار کے لوگ اب اس معاشرے میں نہیں ہیں۔ اگر ہیں بھی تو مطلب برار، بدقماش، چھچھورے، ابن الوقت، کذب بیان لوگوں کے نیچے دب گئے ہیں۔ میرے خلاف مسلسل سازشوں کے جال بُنے جاتے رہے۔ میری جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کو پامال کیا جاتا رہا۔ میں پڑوسیوں کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتا رہا۔ خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب تک اپنے نام کے ساتھ زندہ ہوں۔ میرے شیر دل میرے جاں نثار میرے نام پر جاں نثار ہوتے رہے۔ ان شہیدوں کے خون سے میری صبح آزادی کی کرنیں پھوٹیں۔ برسوں کی جدوجہد کے بعد میرا وجود عمل میں آیا۔ پھر آمریت، وڈیرہ شاہی، جاگیرداری، دہشت گردی، ملائیت، لُولی لنگڑی سیاست، مذہبی، لسانی، گروہی سیاست، افراتفری، ہارس ٹریڈنگ، فلور کراسنگ، ہڑتال، تالہ بندی، لانگ مارچ، ٹرین مارچ اور گھیراؤ جلاؤ کے دور بھی دیکھے۔ جنہوں نے میری ساکھ خراب کردی۔ بلکہ شکل بگاڑ دی۔ ان کھوٹے سکوں نے اپنی من مانی کرکے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔ یہ تو اسی طرح ہوا جیسے نادان بچوں کے ہاتھ میں قینچی دے دی جائے۔ وہ لوگ دیتے ہیں درس بیداری۔۔۔ جن کے اپنے ضمیر سوئے ہوئے ہیں

اب میں پھر تاریخ کے ایک نازک موڑ پر کھڑا ہوں۔ میرا مستقبل خطرے میں ہے۔ مجھے میرے اپنوں نے لہولہان کردیا ہے اپنوں نے نفرتوں کی کھیتیاں کاشت کرکے میرا پیٹ بارود خانوں سے بھر دیا ہے۔ فرقہ پرستی، کنبہ پروری اور نفسا نفسی کا عالم ہے ہر کسی نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہے۔ بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ ہر چیز ہر قسم کی ملاوٹ سے اپنی اصلیت کھو بیٹھی ہے۔ دین و دنیا کے ساتھ ساتھ ہر رشتہ، خون، نسل، ایمان، جنت، دوزخ، خدا، رسول، قبلہ و کعبہ اور قرآن تک اس ملاوٹ سے محفوظ نہیں رہے۔ ووٹ فروشی، وزارت فروشی، جسم فروشی، بردہ فروشی، ضمیر فروشی اور جنت فروشی، عزتفروشی، اولاد فروشی، دین فروشی، وطن فروشی نے میرے جسم پر قبضہ جما یا ہوا ہے۔ مجھے خودغرض، انا پرست اور کلبی عادات والے لوگوں نے اغوا کرلیا ہے۔ میرے بیٹو! میری حفاظت کرو۔ اس خطے کو امن و امان کا گہوارہ بناؤ۔ محبت، پیار، خلوص، اخوت دوستی اور بھائی چارے کی کھیتیاں کاشت کرو نفرتیں، عداوتیں، فاصلے، دُوریاں اور رنجشیں دور کردو۔ کشمیر میرا اٹوٹ انگ ہے۔ مجھے کشمیر چاہیئے مجھے خوشحالی، استحکام، خود کفالت، روشن مستقبل، تعلیم، بہتر خوراک، پُر امن ماحول، بہتر ذرائع آمدن، اچھی شہرت اور مکمل تحفظ کی ضرورت ہے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں قائد اعظم نے یہ ملک اسلام اور مسلمانوں کے لئے بنایا ہے۔ جبکہ سب اسلامی جماعتیں اس کے بنانے کے خلاف تھیں اور کانگرس کی حامی تھیں۔ اب ۶۵ سالوں میں اس نے کون سا نظام دیا ہے۔ جب آپ کے عمل اسلام سے دور ہو جائیں تو ایسا ہی ہونا تھا۔ اسلام کا نظام بہت عظیم ہے۔ مگر آپ کون سا اسلام نافذ کریں گے۔ یزید کا اسلام کہ امام حسینؑ کا اسلام۔ طالبان کا اسلام، مودودی، وہابی، دیوبندی، بریلوی، رائے ونڈی برانڈ کے اسلاموں نے اس ۶۵ سال میں میرا منہ کالا کردیا ہے۔ اُلٹے کشکول گدائی نے میرا امیج تباہ کردیا ہے۔ مسلمان تو دور کی بات ہے آپ انسان تو بنو۔ آپ کے علماء سو بے عمل، زر پرست، زن پرست، شہوت پرست، فرقہ پرست، مردہ پرست، انا پرست، تخریب پرست، شاہ پرست اور مطلب پرست ہوکر رہ گئے ہیں۔ حضرت علامہ محمد اقبال حکیم الامت پاکستان کا خواب دیکھنے والے نے اپنی قوم کی کیا تصویر پیش کی تھی۔ جبکہ آج اس وقت سے اب حالت قوم بدترین ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں یہود	یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو	تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں	کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں	کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

۲۰۱۱ء کا حج اسکینڈل ہی کافی ثبوت ہے۔ ان متشدد طاقتوں نے عوام کو روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم صحت روزگار دینے کی بجائے ایٹم بم دیا۔ اور جس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیا ان کے دشمن نہیں ہیں کیا ایٹم بم کے بغیر دنیا کے باقی ممالک باعزت زندگی نہیں بسر کررہے۔ وہ زمانہ گیا جب طاقتور ملک کمزور ملک پر قبضہ کرسکتے تھے۔ میری قوم نے ہر شہر کے چوراہوں پر جنگی جہاز اور میزائل رکھ کر اپنے جنگی جنون کا تو ثبوت دیا ہے۔ مگر اسلامی اقدار اور نامور نوبل لاریئٹ یا اپنے علمی سائینسی کارنامے کرنے والوں کا کوئی نام نہیں، کوئی مجسمہ نہیں کوئی داخل نصاب نہیں، نعرے ہم ہر وقت اسلام کے مارتے ہیں اور نقل ہم مغرب کی کررہے ہیں۔ کیا ہی ایک شاعر جناب امیر الاسلام ہاشمی نے صدق دل سے آج کے پاکستانی مومن کا کیا اصل نقشہ کھینچا ہے۔

اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

مکاری و عیاری و غداری و ہیجان — اب بنتا ہے ان چار عناصر سے مسلمان
قاری اسے کہنا تو بڑی بات ہے یارو! — اس نے تو کبھی کھول کے دیکھا نہیں قرآن
کردار کا گفتار کا اعمال کا مومن — سرحد کا ہے مومن کوئی بنگال کا مومن
ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں قرآن کا مومن — بیباکی و حق گوئی سے گھبراتا ہے مومن
مکاری و روباہی پہ اتراتا ہے مومن — جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو

وہ رزق بڑے شوق سے کھاتا ہے مومن
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

بلکہ ہماری موجودہ نسل اب اپنے اکابرین پر تنقیدی اور طنزیہ تبصرے کرتی ہے۔قومی دولت اور املاک کو غصب کرنا قوم کا فیشن بن گیا ہے۔ٹیکس نہ دینا معزز ہتھکنڈہ ہے۔بیورو کریسی سے مل کر بڑے بڑے قرضے معاف کروانا ہر سیاسی لیڈر کی عادت ثانیہ بن گئی ہے۔سب اداروں کو کرپشن کے عفریت نے ہڑپ کرلیا ہے۔قانون بے بس ہے۔ظلم کی حکمرانی ہے۔کسی بھی محکمہ کا الٹرا ساؤنڈ کرلیں کوئی مثبت خبر نہیں ملے گی۔کیا یہ سب کچھ فرشتے بگاڑ گئے ہیں۔اور پھر قانون حرکت میں نہیں آرہا۔کیونکہ اس کار خیر میں سب بڑے بڑے مسلمان لوگ اور جبہ پوش بھی ہی ملوث رہے ہیں۔اے میری قوم کے سپوتو! سوچو! افیمی چین میرے ایک سال بعد آزاد ہوا ہے۔آج وہ کہاں کھڑا ہے۔تم اسلام کے عظیم نظام کو رکھتے ہوئے بھی ایک ناکام ریاست کا روپ دھار چکے ہو۔اور آپ کی سب حرکتیں اسلام سے متضاد ہیں۔مسلمان ہو کر اپنے گھر میں (لالچ اور طمع کی خاطر کبھی سعودیہ سے کبھی امریکہ اور کبھی برطانیہ سے) ڈکٹیشن لیتے ہو۔تم احساس کمتری کا شکار ہو یا تم فقیر ہو اس روّیہ نے تمہارا بیڑا غرق کردیا ہے۔تم آدھا تیتر آدھا بٹیر ہو۔

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

میں اپنے پر نظر ڈالتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔میرے بزرگوں نے جو خواب دیکھے تھے وہ نامکمل ہیں۔میں (پاکستان) بالکل ان کے برعکس ہوں۔میں سوچتا ہوں کہ میری بنیاد تو اسلام پر تھی۔میری بنیادوں میں شہیدوں کا لہو شامل ہے۔مجھے تو ایسا ملک ہونا چاہیئے تھا جو امن کا گہوارہ ہوتا۔مجھے پوری دنیا کے لئے رول ماڈل ہونا چاہیئے تھا۔میں آپ کو یہی پیغام دوں گا کہ مجھے رول ماڈل بنائیں پوری دنیا کے لئے۔میری حفاظت کریں کیونکہ میرے دم سے آپ ہیں۔مجھ سے محبت کریں۔کیونکہ اپنے وطن سے محبت کرنا ایک عبادت ہے۔لہٰذا میری خدمت عبادت سمجھ کر کریں۔تو آپ کے ملک یعنی میرا شمار دنیا کے امیر ترین ممالک میں ہوسکتا ہے۔مجھے ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔یہاں رشوت، سفارش، اقرباء پروری، بے انصافی، بیروزگاری، ناخواندگی، غربت، بھوک، افلاس، عریانی اور بے راہروی نہیں چاہیئے قائداعظم کے افکار کو یاد کرو۔۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر کو اپنا منشور بنا لو۔اس ملک کے رہبر بنو، لیڈر بنو، مفکر بنو، ڈاکٹر عبدالسلام بنو، میں پاکستان ہوں۔میرا ایک قومی تشخص ہے اور اس تشخص کو قائم رکھنا آپ سب کی خصوصاً نوجوان نسل کی اہم ذمہ داری ہے۔ورنہ تمہاری داستاں بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔

کتب پر تبصرہ

محسوسات کا شاعر..... آدم چغتائی

جناب ساحر شیوی صاحب فرماتے ہیں:

جناب آدم چغتائی کی کتاب ''جستجوئے جمال'' منظر عام پر آچکی ہے۔جو کہ دو صد بیس صفحات کی یہ کتاب اعلیٰ کاغذ، دیدہ زیب، آفسیٹ پرنٹڈ، مجلد، اور ایک سو چوبیس، قطعات، نظمیں، غزلیں، نعتیں اور قطعات پر مشتمل ہے۔جس پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب ساحر شیوی فرماتے ہیں۔جناب آدم چغتائی برطانیہ کے ایک فعال اور قادرالکلام شاعر ہیں ان کی شعر گوئی نے انھیں برطانیہ میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں جہاں جہاں اردو بولی، سمجھی اور پڑھی جاتی ہے متعارف کروایا ہے۔جناب آدم چغتائی نے یوں تو سبھی اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے مگر غزل ان کی پسندیدہ صنف ہے۔جناب آدم چغتائی کی غزلیں اپنے موضوعات، اندازِ بیان اور فکر میں پڑھنے والوں کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہیں۔جناب آدم چغتائی نہ صرف شاعر ہیں بلکہ کئی ادبی انجمنوں کے متحرک کارکن بھی ہیں۔برطانیہ میں انہوں نے کئی ادبی انجمنیں قائم کی ہیں اور ان کے ساتھ وابستہ رہے ہیں۔آدم چغتائی کے اندر کا شاعر انسانی کائنات اور معاشرے کے مسائل کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہے۔اسے محسوس کرتا ہے۔اور اسے بیان کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔شاعر چونکہ ایک حساس دل، دل و دماغ کا مالک ہوتا ہے اس لئے وہ عام انسانوں کی بہ نسبت ان عوامل اور حادثات کو پہلے ہی محسوس کر لیتا ہے۔جو صفحہ دہر پر رقم ہونے والا ہوتا ہے۔آدم چغتائی چونکہ ایک مسلم الثبوت شاعر ہیں اس لئے وہ ان مناظر، واقعات اور ایسے بے شمار مشاہدات کو الفاظ و بیان کے پیرائے میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والا اگر اس واقعے سے گزرا ہے تو اسے آدم چغتائی کی شاعری متاثر کرے گی۔دیگر احباب کے لئے ان کی شاعری میں لطف و انبساط کا سامان تو ملے گا ہی۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ماہنامہ ''پرواز'' لندن کے باقاعدہ تخلیق کاروں میں آدم چغتائی کا نام بہت اہم ہے۔میں آدم چغتائی کو اس مجموعہ کلام کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

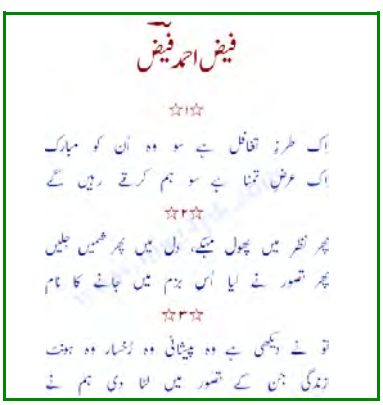
فیض احمد فیض

☆۱☆

اک طرز تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

☆۲☆

پھر نظر میں پھول مہکے، دل میں پھر شمعیں جلیں
پھر تصور نے لیا اس بزم میں جانے کا نام

☆۳☆

تو نے دیکھی ہے وہ پیشانی وہ رخسار وہ ہونٹ
زندگی جن کے تصور میں لٹا دی ہم نے

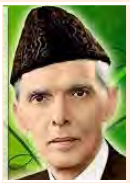

اے قائداعظم!

(عاصی صحرائی لندن)

اے قائد اعظم واپس آؤ
ڈوب رہی ہے قوم کی ناؤ
اپنی قوم کو ایک بار پھر بچاؤ

ان کو سمجھ نہیں آئی تیری　　اس نے اپنالی ہیرا پھیری
عمل اس کا کھوٹا ہے　　یہ ہر طرف سے لوٹا ہے
کھا کھا کر مال ہوا موٹا ہے　　جیسے علی بابا کا کھوتا ہے

اے قائد اعظم واپس آؤ
ڈوب رہی ہے قوم کی ناؤ
اپنی قوم کو ایک بار پھر بچاؤ

قوم کو کھا گیا ٹلا سارا　　ہر لیڈر بن گیا ہے بنجارا
نہ غیرت ہے نہ ضمیر ہے　　چھینا دشمن نے کشمیر ہے
نہ کوئی عادل لیڈر نہ وزیر ہے　　ہر کوئی سیاسی اور بے ضمیر ہے
انسان یہ تیرا اتنا گندا ہے　　مذہب اس کا پکا دھندا ہے
کردار کا بہت یہ گندا ہے　　مسجد کا کھا رہا یہ چندا ہے
روپے کا صرف یہ بندا ہے　　ظالمان اس کے لیڈر ہیں
ہم تو بن گئے گیدڑ ہیں

اے قائد اعظم واپس آؤ
ڈوب رہی ہے قوم کی ناؤ
اپنی قوم کو ایک بار پھر بچاؤ

کوئی زرداری کوئی شریف ہے　　قوم کی حالت بہت نحیف ہے
ساری عادات اسکی خبیث ہیں　　کوئی خواجہ اور کوئی ماجہ ہے
اپنی دُھن میں ہر کوئی راجہ ہے　　قوم کا اب بج گیا باجہ ہے
یہاں سب گیدڑ بن گئے شیر ہیں　　یہ سب ماہرین ہیر پھیر ہیں
بنائے اسنے دولت کے ڈھیر ہیں　　نہ یہ تیرے جیسے دلیر ہیں
کھاتے دشمن کے تھپیڑ ہیں

اے قائد اعظم واپس آؤ
ڈوب رہی ہے قوم کی ناؤ
اپنی قوم کو ایک بار پھر بچاؤ

نہ گاڑی نہ اب ریل ہے　　بے ایمانی کی ریل پیل ہے
جنگلہ بس بھی اک کھیل ہے　　غریب کا گھر بھی اب جیل ہے
قوم کا نکل گیا اب تیل ہے

اے قائد اعظم واپس آؤ
ڈوب رہی ہے قوم کی ناؤ
اپنی قوم کو ایک بار پھر بچاؤ

طالبان اب بنے سردار ہیں　　ساری حکومت کے یار ہیں
اصل میں تو یہ خرکار ہیں　　معلوم ہے کہ یارمار ہیں
پھر بھی ہم کرتے اعتبار ہیں　　ہم سبھی کرتے بیوپار ہیں
میرے مالک میرا ملک بچاؤ

اے قائد اعظم واپس آؤ
ڈوب رہی ہے قوم کی ناؤ
اپنی قوم کو ایک بار پھر بچاؤ

یہ لال رومال والے ہیں　　یہ باچہ خاں کے سالے ہیں
یہ ہندو بنئے کے پالے ہیں　　یہ جنت کے رکھوالے ہیں
یہ دل کے بہت کالے ہیں　　جہاں ملیں انکو مار بھگاؤ

اے قائد اعظم واپس آؤ
ڈوب رہی ہے قوم کی ناؤ
اپنی قوم کو ایک بار پھر بچاؤ

جو بھی آیا اس نے کھایا ہے　　انکل سام سب کا تایا ہے
دُشمن تو ہمارا ہم سایا ہے　　ٹلا نے کھیل رچایا ہے
یہاں سب نے مال بنایا ہے　　جلدی آؤ ،آؤ دیکھو نہ تاؤ

اے قائد اعظم واپس آؤ
ڈوب رہی ہے قوم کی ناؤ
اپنی قوم کو ایک بار پھر بچاء

حفیظ جالندھری.....مرسلہ:بی اے رفیق

محبت کرنے والے کم نہ ہونگے
تری محفل میں لیکن ہم نہ ہونگے
میں اکثر سوچتا ہوں پھول کب تک
شریک گریہء شبنم نہ ہونگے

علی گڑھ میں اجنبی

زکریا ورک کینیڈا (قسط:اول)

پچھلے سال نومبر ۲۰۱۳ء میں بندہ ناچیز کو پہلے پاکستان اور پھر ہندوستان کی سیاحت موقعہ ملا۔ ٹورنٹو سے ہمارا لاہور تک کا سفر پی آئی اے کے ۷۷۷ پرشکوہ جہاز کے ذریعہ ہؤا۔ جہاز عین وقت پر روانہ ہؤا، اور عین وقت پر لاہور پہنچ گیا۔ جہاز کے اندر قیام وطعام کا اطمینان بخش جہاز کے عملہ نے بخوبی اچھے طریق سے سرانجام دیا۔ کھانا نہایت لذیذ، پانی اور دیگر مشروبات وافر مقدار میں موجود تھیں۔ جہاز میں کچھ سیٹیں خالی تھیں اسلئے کئی گھنٹے ٹانگیں پسار کر تین سیٹوں پر خواب خرگوش رہے۔ پاکستان کے اخبارات پڑھنے کیلئے موجود تھے۔ لاہور پہنچ کر ہم نے ملنے والی ہدایات پاعمل درآمد کرتے ہوئے پورٹر کو بیس ڈالر امریکی جو ہمیں کسی تفیش یا پوچھ گوچھ کے بغیر باہر لے آیا۔ میں روانگی سے قبل سے ماڈل ٹاؤن کے ہوٹل میں بکنگ کی ہوئی تھی چنانچہ ہوٹل کا ایک فرض شناس ملازم ڈرائیور کیساتھ ہمیں لینے کیلئے آیا ہؤا تھا۔ نصف گھنٹے میں ہم ہوٹل کے صاف ستھرے کمرے میں جس میں ٹی وی، چائے نماز اور فون موجود تھا بستر پر دراز تھے۔ کھانے کا آرڈر دیا اور کچھ دیر بعد تازہ کھانا ہمارے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ ٹیلی ویژن پر اس وقت کچھ چینلز پر ہندوستان کی فلمی دکھائی جارہی تھیں۔ اس کے علاوہ خبروں اور تازہ خبروں پر تبصروں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

اگلے روز ناشتے کے بعد میری چھٹی حس نے مجھے اُکسایا اپنا پاسپورٹ دیکھو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تو پتہ چلا کہ میرے پاس تو پاکستان کیلئے یک طرفہ ویزا تھا جبکہ کچھ روز بعد ہم نے علی گڑھ جانا تھا۔ انڈیا ویزا حاصل کرنے کی داستاں بڑی دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ ہم نے ویزا کے حصول کیلئے ستمبر ۲۰۱۳ء میں درخواست دائر کردی تھی مگر اکتوبر کے آخر تک ویزا کے متعلق کوئی خبر نہ ملی تو ہم نے مایوس ہوکر پاکستان کیلئے ٹکٹ خرید لیا۔ مگر روانگی سے ایک ہفتہ قبل ایک اثر ورسوخ والے واقفکار مل گئے جن کی کونسلیٹ میں واقفیت بلکہ اوپر تک جان پہچان تھی۔ انہوں نے یقین دلایا کہ چنتا نہیں کریں انڈیا کا ویزہ آپ کو ضرور ملے گا۔ چنانچہ روانگی سے ایک روز قبل ہم دونوں کو ویزہ مل گیا۔

پتہ چلا کہ ماڈل ٹاؤن میں B&B style ہوٹل سے کچھ ہی دور برکت مارکیٹ کے پاس پاسپورٹ آفس ہے۔ ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک قطار میں کوئی سو دو سو لوگ منتظر ہیں اور کچھ فاصلے پر لائن میں لگیں سو دو سو خواتین پاسپورٹ آفس کھلنے کے انتظار میں ہیں۔ میں ہمت کرکے گیٹ کیپر کے پاس گیا اور مؤدبانہ درخواست کی کہ مجھے پاکستان کا ویزہ لینا ہے۔ انہوں نے اندر جانے دیا اور کہا کہ دوسری منزل پر ویزا آفس ہے۔ یہاں ہمارا واسطہ خوش پوشاک نوجوان عدنان سے پڑا۔ اس نے نہایت خوشی سے ہمیں ویزا فارم دئے اور کہا فیس نیشنل بنک میں جمع کرادیں اور فوٹو کھنچوا کر، کسی مقامی رشتہ دار یا دوست کے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لے کر آجائیں۔ نیشنل بنک میں گئے انہوں نے کہا ہم فارن کرنسی کیش نہیں کرتے، پاکستانی روپے لے کر آئیں۔ اب میں تین بنکوں میں گیا ہر جگہہ یہی جواب۔ بالآخر ایک غیر ملکی بنک مل گیا جہاں سے ڈالر ایکس چینج ہوگئے۔ اللہ بھلا کرے ہمارے دوست قاری خالد امیر کا جو اس کھٹن وقت میں بہت کام آیا۔ کاغذات جمع کرواکے لاہور میں چار روز کے بعد ٹیکسی کے ذریعہ ربوہ روانہ ہوگئے۔ ٹیکسی ہوٹل والوں نے منگوا کر دی تھی اور انہی کو چھ ہزار کی رقم ادا کی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور شریف انسان تھا جب میں نے کہا چناب نگر جانا ہے تو کہنے لگا جناب ربوہ کہیں، فکر نہ کریں ہم آپ کو خیریت سے میں پہنچا دیں گے۔

دارلضیافت ربوہ میں ہمارا استقبال روایتی طریق سے کیا گیا۔ میں اپنے ساتھ تعارفی خط لے کر آیا تھا۔ نوجوان ملازمین نے تمام سامان چوتھی منزل پر پہنچا دیا، کمرے کی چابیاں دیں اور تمام معمولات سے آگاہ کردیا۔ دوپہر کا کھانا کھایا اور شام کو مسجد مبارک میں نماز مغرب ادا کرنے کے بعد رشتہ داروں کو ملنے دارلصدر چلے گئے۔ اگلے صبح فجر سے قبل ایک نوجوان تمام منزلوں پر جاتا سنائی دیا جو ساتھ کے ساتھ خوش الحانی سے صل علی نبینا صلی علی محمد گاتا اور کہتا جاتا تھا نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ کچھ ہی دیر بعد لاؤڈ سپیکر پر صدائے اذان سٹیشن کی طرف سے آتی سنائی دی۔ صبح جب دفاتر کھل گئے تو ہم اپنے کزن محترم لطیف احمد جھمٹ صاحب سے دفتر تحریک جدید میں ملاقات کیلئے حاضر ہوگئے۔ ہماری تواضع چائے اور تازہ کبابوں سے کی گئی۔ تحریک جدید اور صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کی کئی منزلہ عمارتیں جدید ہیں۔ ان کو دیکھ کر مطمئن اور دل خوش ہؤا۔ سکیورٹی اور صفائی اعلیٰ قسم کی تھی۔ دفتر کا نظم وضبط، کارکنان کی فرض شناسی، فائلوں اور ریکارڈ کی حفاظت اور دستاویزوں کی بازیافت، سائلوں سے خوش خلقی سے پیش آنا تمام قابل تعریف تھے۔ سکیورٹی کا عملہ حاضر باش اور چست وچوبند تھا۔ اس کے بعد میں انچارج خلافت لائبریری چوہدری محمد صادق صاحب سے ملاقات کیلئے گیا۔ ان کو اپنی کتاب 111 مسلمان سائنسدان پیش کی۔ دفاتر میں جو کام کرنا تھا اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے کئی روز لگ گئے۔ پاکستان میں ہر کام اپنی خواہش نہیں بلکہ اوروں کی خواہش، گرم مٹھی، اور نامعلوم مدت کے مطابق ہوتا ہے۔ بلکہ ایک روز تو ہم لالیاں تحصیلدار کے دفتر بھی گئے اور کافی تگ ودو کے بعد ہمارا کام ہوگیا۔ راستہ میں احمد نگر کے پاس شوگر مل دیکھی جس کی پہچان (شوگر کین) گنوں سے لدے ٹرکوں کی لمبی قطار تھی۔ دارلصدر کے بعد جہاں پہاڑیوں کا سلسلہ ختم ہوجاتا وہاں اینٹوں کا بھٹہ دیکھا۔ آس پاس پوری کالونی آباد تھی۔

ایک ہفتہ بعد پاسپورٹ آفس فون کیا تو عدنان نے بتایا کہ ویزہ لگ گیا ہے۔

ٹیکسی کے ذریعہ ہم ربوہ سے سیدھا پاسپورٹ آفس گئے اور وہاں سے واہگہ بارڈر جو ۲۳ کیلومیٹر دور ہے روانہ گئے۔ٹیکسی سٹینڈ سے کچھ فاصلہ ہم پیدل چلے اور پاکستان امیگریشن آفس پہنچ گئے۔ پاسپورٹ آفیسر نے نہایت خوش خلقی سے کہا آپ جہاں جا رہے ہیں مجھے پتہ ہے وہاں جا کر میرے لئے بھی دعا کریں۔ پیدل بارڈر کراس کر کے ہندوستان کی طرف شٹل بس میں بیٹھے جو ہمیں امیگریشن کی جدید عمارت تک لے گئی۔ یہاں ہم سے پہلے سکھوں کا جتھا آیا تھا اور تمام امیگریشن آفیسران کی خاطر مدارت کر رہے تھے۔ بد انتظامی کو دیکھ کر کسی نے شکایت کی تو دو مزید امیگریشن آفیسر لائے گئے۔ یہاں ایک نوجوان خاتون پولیس آفیسر گردش کر رہی تھی۔ میں نے اس کو کینیڈا کے روسٹڈ بادام اور روسٹڈ امریکی مکئی پیش کی جو اس نے تردد سے قبول کرتے ہوئے کہا کوئی دیکھ لیگا۔ یہاں بھی ہر فرد خوش خلقی سے پیش آیا۔ٹیکسی لی اور ایک گھنٹے بعد امرتسر ریلوے سٹیشن پہنچ گئے۔راستے میں ہائی وے اور سڑکوں پر عورتوں کو سائیکلوں وسکوٹروں پر بغیر ہیلمٹ کے بے خوف وخطر سفر کرتے دیکھا جو اچنبھا تھا کیونکہ لاہور میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔اس کے علاوہ زبان وہی، لباس وہی، کھانا وہی، ہوائیں وہی، کھیت کھلیان وہی، پنجاب کا وہی منظر جیسا کہ پاکستان میں ہے۔ کہیں پولیس، فوج، مورچے اور ناکہ بندی نظر نہیں آئی۔جس سے پتہ چلتا یہاں لاء اینڈ آرڈر کا عمدہ انتظام ہے۔لاہور میں تو یہ دھڑکا لگا رہا کہ کہیں بم نہ پھٹ جائے، یا کوئی stick up نہ کردے۔ جہاں ہجوم تھا وہاں جانے سے احتراز کیا۔امرتسر ٹرین سٹیشن پر ایک عقاب نظر نوجوان قلی نے کہا اپنی گھڑی ٹھیک کرلیں آدھا گھنٹہ آگے ہے ۔لگتا ہے آپ لاہور سے آئے ہیں۔ دلی کیلئے ٹکٹ بڑی مشکل سے ملا، ٹرین میں سیٹیں آرام دہ نہیں تھیں۔ راستے میں کافی، چائے، اور کھانے کیلئے مختلف سٹیشنوں پر ہاکر آوازیں لگاتے رہے۔سات گھنٹے میں ہم دہلی پہنچ گئے۔ٹیکسی ڈرائیور سے کہا کہ ہمیں بطرہ ہسپتال کے پاس، تغلق آباد کسی ہوٹل میں لے جاؤ۔وہ بے چارہ ہر گلی ہر کوچے میں گیا کئی لوگوں سے ہوٹل کا پوچھا مگر ندارد۔تغلق آباد رہائشی علاقہ تھا اسلئے ہوٹل یہاں ندارد تھے۔واپس شہر کی طرف آئے اور ہوٹل مل گیا۔اگلے روز تغلق آباد مسجد گئے اور مربی صاحب اور دوستوں سے ملاقات کی۔

اگلے روز میں نے علی گڑھ جانے کیلئے ٹرین کے ذریعہ سفر کیلئے مربی صاحب سے معلومات حاصل کیں۔ہمیں مشورہ دیا گیا کہ ٹرین سٹیشن پر پہنچ جائیں اور جس ٹرین کیلئے ٹکٹ مل جائے وہ خرید لیں۔سٹیشن پر میں متعدد ٹیکسی والوں سے کرایہ کا دریافت کیا ہر کوئی ۲۷۰۰ روپے سے لیکر تین ہزار روپے کرایہ بتاتا تھا۔میں نے ۲۵۰۰ روپے کی آفر کرتا اور وہ نہیں مانتے تھے۔ایک ایمان دار جو ٹرین سٹیشن کے اندر سے ٹیکسیوں کیلئے مسافر گھیر کر لاتا تھا یوں مجھے گھومتے دیکھ کر قریب میں ٹریول ایجنسی لے گیا شاید وہ ٹکٹ خریدنے میں مدد کردیں۔وہ بھی مدد نہیں کر سکے، بس یہی کہتے آپ ذرا انتظار کریں۔سٹیشن کا باہر کا ماحول نا قابل بیان، انتہائی گندہ، غلیظ اور ہوا میں یورک ایسڈ کی بدبو تھی۔ بددل ہو کر میں واپس ٹرین سٹیشن آیا اور اس کھڑکی پر لائن میں لگ گیا جہاں سے علی گڑھ جانے والی ٹرین ٹکٹ ملنا تھا۔لوگوں کا ایک جم غفیر تھا۔ عورتیں مرد، نوجوان دھکم دھکا۔اللہ اللہ کر کے مجھے مہابودھی ٹرین کا ٹکٹ مل گیا۔سہ پہر کا وقت ہو رہا تھا، قلی نے سامان اٹھا کر اس پلیٹ فارم لے گیا جہاں سے ٹرین روانہ ہونی تھی۔ائر کنڈیشنڈ کمپارٹمنٹ میں ٹرین پر بیٹھ تو گئے مگر اس کے بعد جو حشر ہوا وہ نا قابل بیان ہے۔ ہر نصف گھنٹے یا گھنٹے بعد ٹرین رک جاتی تھی۔ وجہ نامعلوم، یوں کرتے کرتے علی گڑھ جو دہلی سے ۱۳۰ کیلومیٹر ہے پہنچنے میں رات کے آٹھ بج گئے۔اللہ کا شکر ہماری سیٹوں کے سامنے ایک مسلمان جوڑا بیٹھا تھا ان کے ساتھ خوب گفتگو ہوتی رہی اور حالات حاضرہ پر تبصرہ۔شوہر محترم بیگم سے ملاقات کیلئے سعودی عرب سے چھٹی پر آئے ہوئے تھے۔توبہ کی اگر اس کے بعد کبھی مہابدھی سے سفر کیا۔

ٹرین سے اترے، رات کا وقت تھا، لوگ جس طرف جا رہے تھے ہم بھی چل دئے۔ باہر آئے تو ٹیکسی نام کی کوئی چیز نہیں البتہ رکشہ کی سواری بے انتہا تھی جن کو انسان چلاتا تھا۔ کچھ ہی فاصلے پر ہوٹل تھا ہم وہاں پیدل چل کر پہنچے۔ دو رات ہم یہاں ٹھہرے۔علی الصبح حکیم سید ظل الرحمن سے ملاقات کیلئے دودھ پور گئے۔انسانی رکشہ کی سواری انتہائی تکلیف دہ تھی۔دودھ پور کا علاقہ دکانوں، لوگوں سے بھرپور تھا۔ حکیم صاحب کی وسیع وعریض حویلی میں پہنچے۔وہ دوسری منزل پر اپنے دفتر لائبریری میں مصروف کار تھے۔فون پر وہ مجھے پہچان نہیں سکے تھے۔سامنے دیکھ کر حیران ہوئے۔فوراً چائے بسکٹ سے تواضع کی۔ابن سینا اکیڈیمی کی سیر انہوں نے ہمیں خود کرائی۔لائبریری میں زمین سے چھت تک دیدہ زیب قدآدم شیلفوں میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ درمیان میں مطالعہ کیلئے میز، ایک حصہ مخطوطوں کا تھا۔ایک وسیع ہال میٹنگز، اجلاسوں کیلئے مخصوص تھا۔ایک گوشہ غالب پر شائع ہونیوالی کتابوں، رسالوں، نوادرات کیلئے۔ابن سینا کی زندگی پر یہاں غیر معمولی نوادرات جمع کئے گئے تھے۔ اکیڈیمی تین منزلوں پر پھیلی ہوئی ہے۔حکیم سید ظل الرحمن نے یہاں جو نادر الوجود اشیاء اکھٹی کی ہیں ان کیلئے انہوں نے لمبے لمبے اسفار کئے ہیں۔مثلاً آپ یونان گئے اور مختلف شہروں میں سیر وسیاحت کرتے ہوئے یونانی حکماء کے چھوٹے چھوٹے مجسمے اپنے ساتھ لیتے آئے۔ ہندوستان کی یادگار چیزیں بعض خاندانوں نے ان کو تحفہ میں دی ہیں۔ایک خاتون ڈاکٹر امریکہ سے علی گڑھ گئیں اور اپنے خاندان کی مختلف اشیاء تحفہ میں دے دیں۔ابن سینا اکیڈیمی کا مکمل احوال اگر میں قرطاس ابیض پر اتارنا شروع کروں تو وہ بذاتہ ایک مضمون ہوگا۔

حکیم نے ارشاد فرمایا اور ان کے فرماں بردار قابل بیٹے ضیاء الرحمن نے ہمارے یونیورسٹی میں لیکچر کا انتظام کردیا۔یوں ہمیں سہولت ہوگئی کہ یونیورسٹی کے گیسٹ ہاؤس میں قیام وطعام کر سکیں۔علم الادویاء میں ہمارا لیکچر متعدد اساتذہ اور طالبعلموں نے سنا۔ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ کو اپنی کتاب ۱۱۳ مسلمان سائنسدان تحفہ میں پیش کی۔لیکچر

کے دوران ایک پروفیسر صاحب نے اعتراض اٹھایا کہ میرا لہجہ پنجابی تھا۔ میں نے ان کو نظر انداز کر دیا۔ لیکچر کے بعد ایک لیکچرار نے میرے انگلش مضمون فارمیسی ان اسلام کو بہت سراہا جو انہوں نے انٹرنیٹ پر پڑھا تھا۔

گیسٹ ہاؤس میں ہمارے قیام کا پہلا روز نہایت دردناک بلکہ خون آشام تھا۔ اگرچہ انتظامیہ مچھروں سے محفوظ رہنے کیلئے سپرے بجلی کی آؤٹ لیٹ میں لگا رکھا تھا مگر وہ سپرے نہیں کر رہا تھا۔ اسلئے ساری رات کروٹیں کروٹیں بدلتے آنکھوں میں ہی گزر گئی۔ اگلے صبح کے وقت کھڑکی سے باہر دیکھا تو پھول اور سبزہ زار گھاس اور کیاریاں تھیں مگر کمرے کے اندر چھت پر چھپکلیاں آوارہ گردی کر رہی تھیں۔ ان کا دیدار مدتوں ہوئے ربوہ میں کبھی کیا تھا، کینیڈا میں چالیس سالہ قیام کے دوران ہم ان کی ہیئت کذائی کو پردہ ذہن سے محو کر چکے تھے۔ البتہ گرم پانی سے غسل کرنے، اور بازو میں واقع مسجد میں نماز ادا کرنے کا نہایت عمدہ انتظام تھا۔ صبح ناشتے کیلئے ڈائینگ ہال میں گئے اور خادم نے ناشتہ دیا جس سے ہم لطف اندوز ہوئے۔

نماز جمعہ پر ہماری ملاقات پروفیسر وسیم احمد اور پروفیسر مظفر احمد اور دیگر دوستوں سے ہوئی۔ نوجوان طالبعلم محسن کاشمیری نے نماز جمعہ کی امامت کی۔ تہذیب الاخلاق کے ایڈیٹر جناب پروفیسر ابوسفیان اصلاحی سے ملاقات ہوئی، ان کو اپنی کتاب پیش کی۔ سہ پہر میں واپس گیسٹ ہاؤس آئے اور قیلولہ کے بعد یونیورسٹی اور شہر کی سیر کو چلے گئے۔ جامع مسجد گئے اور ہندوستان کے محسن اعظم سرسید احمد خاں کے مزار، ان کے بیٹے محمود اور ان کے جلیل القدر پوتے سر راس مسعود کے مزار پر دعا کی۔ مسجد میں دو نفل ادا کئے۔ اس وسیع مسجد میں شیعہ اور سنی فرقوں کے افراد بغیر کسی خون خرابے کے نمازیں ادا کرتے ہیں۔ یہ صلح و آشتی اور رواداری کی زندہ مثال ہے ایسا دوسری مساجد میں بھی ہونا چاہئے۔ مسجد کے قریب میں واقع پرعمارات کو دیکھا جیسے وکٹوریہ ہاؤس۔ حالی روڈ پر اپنی تصویر بنوائی۔ شبلی روڈ پر واقع تہذیب الاخلاق کے دفتر پہنچے مگر اتوار کے روز دفتر بند ہوتا ہے۔ یونیورسٹی کی تمام عمارات نہایت پرشکوہ، جدید اور ہر طرف سبزہ، پھول اور درخت ہیں۔ مگر اس کے علاوہ شہر میں گرد و غبار وافر مقدار میں ہے۔ رکشا سے مراد انسانی رکشہ اور آٹو سے مراد موٹر رکشہ ہوتا ہے۔

پروفیسر ظل الرحمن نے یہ مژدہ سنایا کہ انہوں نے ابن سینا اکیڈیمی میں میرا لیکچر رکھا ہے اس کی تیاری کیلئے دو روز دے دئے۔ شام کے وقت ہم نے اکیڈیمی میں لیکچر دیا جہاں سامعین میں یونیورسٹی کے پروفیسرز، ڈیپارٹمنٹ ہیڈ، ریٹائرڈ پروفیسرز اور طالب علم موجود تھے۔ لیکچر کا عنوان یورپ کو اسلامی علوم کی ترسیل تھا۔ احباب نے پسند کیا۔ صدر جلسہ نے لیکچر کے بعد تجویز کیا کہ لیکچر میں مزید اضافہ کروں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اب یہ لیکچر اکیڈیمی نے یادگاری خطبہ ابن سینا اکیڈیمی کے سلسلہ وار خطبات کے ضمن میں شائع کر دیا ہے۔ لیکچر کے بعد تمام حضرات کی ریفرشمنٹس سے تواضع کی گئی۔

(.....جاری)

میاں محمد بخشؒ

سدا نہ رُوپ گلاباں اُتے سدا نہ باغ بہاراں
سدا نہ بھج بھج پھیرے کرسن طوطے بھور ہزاراں
چار دیہاڑے حسن جوانی مان کیا دلداراں
سکدے اسیں محمد بخشا کیوں پر واہ نہ یاراں

بیگم صاحبہ

بیٹھے بیٹھے ایک دن میں نے بیگم سے کہا
ہے اجازت، عقد ثانی کا ارادہ ہے میرا
عقد بیوہ سے کروں تو کام ہو گا لا جواب
کیونکہ ایسے عقد سے ملتا ہے مومن کو ثواب
بولیں بیگم کون سا یہ مسئلہ دُشوار ہے
میری جانب سے اجازت آپ کو سرکار ہے
اور جہاں تک ایک بیوہ ڈھونڈنے کا ہے سوا
لیجے میں آسان کردیتی ہوں یہ کارِ محال
ڈھونڈ نا بیوہ یقیناً ایک زحمت ہے میاں
آپ کو ان زحمتوں کی کیا ضرورت ہے میاں
بن کے زوجہ آپ کے گھر میں جو عورت آئے گی
چند سالوں میں وہ بیوہ خود بخود ہو جائیگی

(مرسلہ: بی اے رفیق)

جن لوگوں نے خدا سے ٹھٹھا کیا اُن کا انجام

۱۔ صدر برازیل Tancredo Neves نے اپنی الیکشن مہم کے دوران کہا اگر مجھے پانچ لاکھ ووٹ مل گئے تو خدا بھی مجھے صدارت سے محروم نہیں کر سکتا۔ اس نے ووٹ حاصل کئے مگر ایک دن پہلے ہی صدر بننے سے وہ اس دنیا سے چل بسا۔

۲۔ CAZUZA جو کہ برازیل کا شاعر اور سنگر تھا۔ ایک دن تکبر میں شو کے دوران اس نے سگریٹ کا کش لگایا اور منہ سے نفرت سے ایک دھوئیں کی لہر نکالی اور کہا ''یہ خدا کے لئے ہے''۔ وہ بہت ہی جلد ۳۲ سال کی عمر میں پھیپھڑوں کے کینسر سے ہلاک ہو گیا۔

۳۔ ٹائٹینک بنانے والے سے جب ایک رپورٹر نے پوچھا کہ ''بتائیں آپ کا یہ بنایا ہوا جہاز کتنا مضبوط اور سیف ہے؟ اُس نے بڑے غرور سے جواب دیا کہ اس پر کئی ٹن لوہا لگایا گیا ہے ''اب تو خدا بھی اسے نہیں ڈبو سکتا''۔ مگر ساری دنیا نے دیکھا کہ اس جہاز کا کیا انجام ہوا۔ بہت جلد ہی وہ ڈوب گیا۔ ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے۔